اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

نظیؔر اکبر آبادی

پیدائش : ۱۷۴۰ء　　وفات : ۱۶/اگست ۱۸۳۰ء

ولی محمد نظیؔر اکبر آبادی دہلی میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ملک کے حالات اچھے نہ تھے اس لیے وہ آگرہ چلے گئے۔ یہاں وہ ایک مالدار شخص لالہ بلاس رائے کے لڑکوں کو فارسی پڑھانے لگے۔

نظیؔر بڑے خود دار شخص تھے۔ انھیں تاج محل اور آگرے کے گلی کوچوں سے بڑی محبت تھی اس لیے وہ زندگی بھر آگرے میں رہے۔ ان کی زبان بڑی سادہ اور عام فہم تھی۔ انھوں نے ہولی، دیوالی، عید وغیرہ تہواروں پر بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ 'کلیاتِ نظیؔر' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اس نظم میں شاعر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عزّت سے اور تن درست رکھے کیونکہ تن درستی اور عزت ہی دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔

جتنے سخن ہیں ، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تن درست ہو　　بے زَر ہو یا امیر ہو پر تن درست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تن درست ہو　　مُفلس ہو یا فقیر ہو پر تن درست ہو
جتنے سخن ہیں ، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

آیا جو دل میں ، سیرِ چمن کو چلے گئے　　بازار ، چوک ، سیر تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ، ہر اک جا چلے پھرے　　جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو ، سو رہے
جتنے سخن ہیں ، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن درست

ادنیٰ ہو یا غریب ، توَنگر ہو یا فقیر ‌‌‌ ‌ یا بادشاہ شہر کا ، یا مُلک کا وزیر
ہے سب کو تن درستی و حُرمت ہی دِل پذیر ‌ ‌ جو تو نے اب کہا، سو یہی سچ ہے، اے نظیرؔ

جتنے سخن ہیں ، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرؤ سے رکھے اور تن درست

****

سخن	-	قول، بات	دل میں آنا	-	خواہش ہونا
آبرؤ	-	عزّت	سیرِ چمن	-	باغ کی سیر
تن	-	جسم	جا	-	جگہ
عاجز	-	مجبور	توَنگر	-	امیر
حقیر	-	معمولی، بے قیمت	حرمت	-	عزّت
بے زر	-	غریب	دل پذیر	-	دل کو پسند آنے والی
اسیر	-	قیدی			

مشق

❋ نظم کی مدد سے خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ اللہ .... سے رکھے اور تن درست
۲۔ قیدی ہو یا .... ہو پر تن درست ہو
۳۔ آیا جو دل میں .... کو چلے گئے
۴۔ ہے سب کو تن درستی و حرمت ہی ....

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ شاعر نے کس بات کو سب سے درست کہا ہے؟
۲۔ شاعر نے کن لوگوں کی عزّت اور تن درستی کی دعا مانگی ہے؟
۳۔ اس نظم میں شاعر نے کس بات کی اہمیت بتائی ہے؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

تن درست آدمی زندگی کے کون سے لطف اُٹھا سکتا ہے؟

سرگرمی : ۱۔ نظیرؔ اکبر آبادی کی کوئی دوسری نظم تلاش کر کے جماعت میں سنائیے۔
۲۔ 'تن درستی ہزار نعمت ہے' اس عنوان پر دس بارہ جملے لکھیے۔

ڈالفن

ڈاکٹر قمر شریف

پیدائش: ۲/اکتوبر ۱۹۴۷ء

ڈاکٹر قمر شریف اورنگ آباد کے ایک مشہور تعلیمی ادارے سے وابستہ رہی ہیں۔ انھوں نے سائنس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ سائنس اور تعلیم و تدریس سے متعلق ان کے کئی مضامین آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکے ہیں۔

ڈالفن سمندر کے مچھلی نما بڑے جانوروں میں سے ایک ہے۔ اس سبق میں ڈالفن کی بناوٹ اور اس کی عادتوں سے متعلق معلومات دی گئی ہے۔ ساتھ ہی انسانوں کے ساتھ اس کی دوستی اور ہمدردی کے مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

عام طور پر ہر جانور یہ کوشش کرتا ہے کہ انسانوں سے بچ کر رہے۔ مچھلی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انسان کی بؤ پاتے ہی گہرے پانی میں چلی جاتی ہے لیکن مچھلی ہی کی طرح ایک سمندری جانور ایسا بھی ہے جو انسانوں سے نہیں ڈرتا اور نہ دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہے ڈالفن۔

ڈالفن دؤدھ پلانے والا ایک سمندری جانور ہے۔ اس کی لمبائی چھے سے بارہ فٹ تک ہوتی ہے اور وزن ۱۵۰ تا ۶۵۰ کلوگرام ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ مٹیالی، مٹیالی سبز اور سیاہ رنگ کی ہوتی ہے جبکہ پیٹ کا رنگ سفید یا ہلکا گلابی ہوتا ہے۔ یہ تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تیرتی ہے۔ کبھی اس کی رفتار چالیس تا ساٹھ میل فی گھنٹہ بھی ہو جاتی ہے۔

ڈالفن کے جسم پر بال نہیں ہوتے۔ اس کی جِلد چکنی ہوتی ہے۔ جبڑے بڑے اور سامنے چونچ کی طرح تین اِنچ لمبی تھوتھنی ہوتی ہے۔ ڈالفن اپنے سَر کے ایک سؤراخ سے سانس لیتی ہے۔ اس کی آنکھیں سر کے دونوں جانب پائی جاتی ہیں۔ ڈالفن کی نظر بہت تیز ہوتی ہے۔ آنکھوں کے پیچھے بیرونی کان کے شگاف پائے جاتے ہیں۔

ڈالفن کے دانت غذا کو چبا نہیں سکتے۔ یہ اس کو اپنا دفاع کرنے اور شکار پکڑنے میں مدد دیتے ہیں اور پانی میں آواز کی لہروں کو اس کے اندرونی کان تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح ڈالفن کسی چیز کا صحیح مقام معلوم کر لیتی ہے۔ اس کی چھؤنے کی حِس بہت تیز ہے لیکن سؤنگھنے کی قوّت بہت کم ہوتی ہے۔ اس کی غذا مچھلیاں، جھینگے اور دؤسرے آبی جاندار ہیں۔ ڈالفن ایک بہت ذہین جانور ہے۔ اس کا دماغ انسان کے دماغ سے بڑا ہوتا ہے۔

ڈالفن گروہ میں رہنا پسند کرتی ہے۔ ان کا ایک گروہ دو تا چالیس ڈالفنوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ان کی تعداد

سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ڈالفن اپنے بچّوں اور گروہ سے سیٹی کے ذریعے ربط رکھتی ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق ہر ڈالفن کی سیٹی گروہ کی دوسری ڈالفن سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ کئی قسم کی آوازیں نکال سکتی ہے۔ انسان کی طرح ہنس سکتی ہے، سیٹی بجا سکتی ہے، شکار کا پیچھا کرتے ہوئے غُرّاتی ہے، شکار پر قابو پانے پر خوشی سے 'میاؤں' کی آواز نکالتی ہے، نیز دشمن کو ڈرانے کے لیے اونچی آواز میں چلّاتی ہے۔ ڈالفن کئی بار ایسی آوازیں بھی نکالتی ہے جیسے کوئی آدمی زور زور سے بول رہا ہو۔ آدمی جب پلٹ کر دیکھتا ہے تو کسی کو نہ پا کر حیران رہ جاتا ہے۔

ڈالفن اور انسان کی دوستی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ قدیم کہانیوں اور تصویروں میں جو اشارے ملتے ہیں، ان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے بھی ڈالفن انسانوں سے دوستی کرنے کی آرزو مند رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک آدمی شارک مچھلی کے گھیرے میں آ گیا۔ شارک اس کے ٹکڑے کرنے ہی والی تھی کہ وہاں کچھ ڈالفنیں پہنچ گئیں۔ ان میں سے ایک نے اس آدمی کو شارک کے چُنگل سے چُھڑا کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور تیزی سے کنارے پر پہنچا دیا۔ آدمی جیسے ہی اس کی پیٹھ سے اُترا، ڈالفن سمندر میں غائب ہو گئی۔

ایک دفعہ کی بات ہے۔ فلوریڈا (امریکہ) کے سمندری کنارے سے ایک خاتون کو سمندر کی زبردست لہریں بہا کر لے گئیں۔ کچھ لمحوں تک اس نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ اچانک اسے ایسا لگا جیسے کوئی گلگلی سی چیز اسے کنارے کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس خاتون نے اپنے آپ کو کنارے پر پایا۔ بعد میں اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ایک چمکدار شے اسے تیزی سے سمندر میں غائب ہوتی نظر آئی۔ ایک آدمی نے جو اس سارے واقعے کو دیکھ رہا تھا، بتایا کہ وہ ڈالفن تھی۔

ڈالفن نے کئی جہازوں کو چٹانوں سے ٹکرانے سے بچایا اور انھیں صحیح راہ دِکھائی۔ ڈالفن کے گروہ مچھلیاں پکڑنے میں ماہی گیروں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ ان کے گروہ مچھلیوں کو گھیر کر ماہی گیروں کے قریب لے آتے ہیں اور پھر یہ اپنے سر اور دُم کی حرکت سے ماہی گیروں کو جال کھولنے کا اشارہ کرتے ہیں۔

تقریباً پچاس برس قبل نیوزی لینڈ کے ایک جزیرے پر بسے ہوئے گاؤں میں ایک ڈالفن سمندر کے کنارے آئی اور پانی میں کھیلنے لگی۔ بچّوں نے اس کے کرتبوں کو پسند کیا اور ڈالفن سے ان کی دوستی ہو گئی۔ وہ بچّوں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر سمندر کی سَیر کراتی۔ وہ ان بچّوں کے ساتھ کھیلتی۔ اسے رنگ برنگی گیند سے کھیلنا اچّھا لگتا تھا۔ جب کوئی گیند اس کے پاس پھینکی جاتی تو وہ اسے اپنی تھوتھنی یا دُم سے ہوا میں اُچھالنے کی کوشش کرتی۔

ڈالفن کو غصّہ بہت کم آتا ہے۔ کھیلنا کوُدنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا اسے اچھا لگتا ہے۔

ڈالفن سمندر کے متعلّق تحقیق کرنے والوں کی بھی مدد کرتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں جب امریکی سائنس دانوں نے سمندر کی تحقیق شرؤع کی تو ایک ڈالفن نے ان کی کافی مدد کی۔ سائنس دانوں نے گہرے پانی میں ایک تجربہ گاہ بنائی تھی۔ جب کبھی سائنس داں راستہ بھوُل جاتے، ڈالفن انھیں تجربہ گاہ تک پہنچاتی۔ کبھی کبھار وہ سائنسی آلات بھی تجربہ گاہ تک لے جاتی تھی۔ غرض ڈالفن قدرت کی ایسی مخلوق ہے جسے ملنساری اور انسان دوستی کی وجہ سے چھوٹے بڑے، سب پسند کرتے ہیں۔

تھوتھنی	-	آگے نکلا ہوا منہ	گِلگِلی	-	نرم، چکنی
دفاع	-	بچاؤ	تحقیق	-	صحیح علم یا معلومات حاصل کرنا، کھوج
ربط	-	تعلق	ملنساری	-	میل جول

مشق

❋ قوسین میں سے مناسب لفظ چن کر خانہ پُری کیجیے۔ (گِلگِلی، غصّہ، بڑا، تیز، تھوتھنی، سیٹی)

۱۔ ڈالفن کی نظر بہت .... ہوتی ہے۔
۲۔ ڈالفن کا دماغ انسان کے دماغ سے .... ہوتا ہے۔
۳۔ ڈالفن اپنے بچوں اور گروہ سے .... کے ذریعے ربط رکھتی ہے۔
۴۔ اچانک اسے ایسا لگا جیسے کوئی .... سی چیز اسے کنارے کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔
۵۔ ڈالفن کو .... بہت کم آتا ہے۔
۶۔ جب کوئی گیند اس کے پاس پھینکی جاتی تو وہ اسے اپنی .... یا دُم سے ہوا میں اُچھالنے کی کوشش کرتی۔

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ مچھلی کے بارے میں کون سی بات مشہور ہے؟
۲۔ ڈالفن کے دانت اس کی کس طرح مدد کرتے ہیں؟
۳۔ ڈالفن کون سی بات پسند کرتی ہے؟
۴۔ ڈالفن کی تمام عادتیں اور خصوصیات کس سے ملتی جلتی ہیں؟
۵۔ قدیم کہانیوں اور تصویروں کے اشاروں سے کس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ ڈالفن کسی چیز کا مقام کس طرح معلوم کر لیتی ہے؟
۲۔ ڈالفن کس طرح کی آوازیں نکال سکتی ہے؟
۳۔ جزیرے کے بچوں سے دوستی ہونے پر ڈالفن کیا کرتی تھی؟
۴۔ ۱۹۶۰ء میں سمندر کے تعلق سے تحقیق کرنے والوں کی ڈالفن نے کس طرح مدد کی؟

❋ سبق کی مدد سے مفصّل جواب لکھیے۔

فلوریڈا (امریکہ) کے سمندری کنارے پر کون سا واقعہ پیش آیا؟

❋ سبق کو غور سے پڑھ کر لکھیے کہ انسانوں اور ڈالفن میں کن باتوں میں یکسانیت ہے۔

سرگرمی: مختلف سمندری جانوروں کی تصویریں جمع کیجیے اور اپنی بیاض میں چسپاں کیجیے۔

صبح کے نظارے

سعادت نظیرؔ

پیدائش : ۱۹۳۰ء

سعادت نظیرؔ حیدرآباد کے ایک اہم شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں 'راگ رنگ'، 'آبشار'، 'تصویریں' مشہور ہیں۔ انھوں نے نثر میں مضامین بھی لکھے ہیں۔

سعادت نظیرؔ نے اس نظم میں صبح کے ماحول کی تصویر کشی کی ہے۔ صبح کے وقت باغ کا سماں بڑا خوش گوار ہوتا ہے۔ کلیاں چٹک کر پھول بن جاتی ہیں۔ شبنم کے قطرے سبزے اور پھولوں پر دمکتے ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے سارا ماحول مہکا ہوا ہوتا ہے۔ وادیاں، پہاڑ، جنگل جگمگا اُٹھتے ہیں۔ ان سارے خوب صورت نظاروں کا ذکر شاعر نے اس نظم میں کیا ہے۔

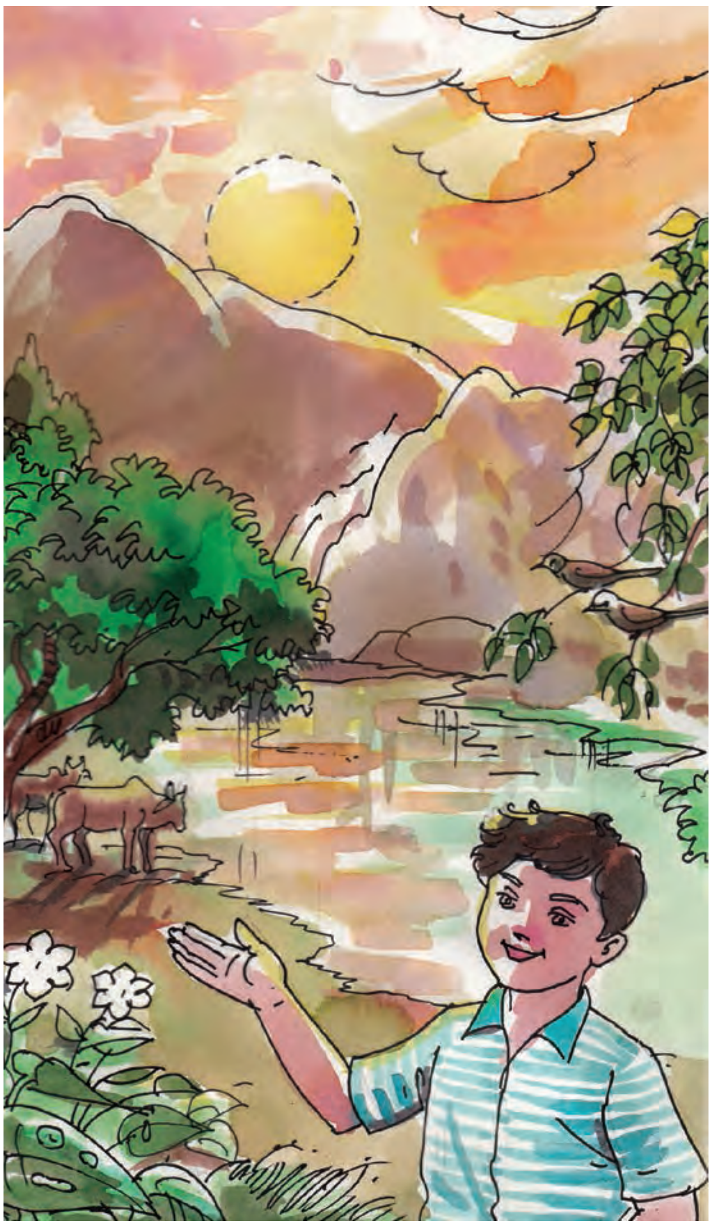

جاگا ہے بُوٹا بُوٹا ، چٹکا ہے غُنچہ غُنچہ
چمکا ہے ذرّہ ذرّہ ، روشن ہے گوشہ گوشہ

سبزہ لہک رہا ہے ، کلیاں مہک رہی ہیں
باغوں میں ڈالیوں پر چڑیاں چہک رہی ہیں

شبنم کا ہر چمن کو وہ آرسی دِکھانا
پتّوں کا پھر خوشی سے وہ تالیاں بجانا

پھولوں میں نازکی ہے ، کانٹوں میں تازگی ہے
ہر دِل میں اِک خوشی ہے ، ہر سمت روشنی ہے

وادی ، پہاڑ ، جنگل ہر ایک جگمگایا
دریا کو جوش آیا ، ساحل بھی گنگنایا

فِطرت بہار پر ہے ، دُنیا نِکھار پر ہے
ہر شے ہے خوب صورت ، رنگین ہر نظر ہے

سچ پوچھیے تو منظر کیسے ہیں پیارے پیارے
دیتے ہیں لُطف کیا کیا ، یہ صبح کے نظارے

بُوٹا بُوٹا	-	کلی کلی	گوشہ	-	کونا
چٹکنا	-	کھلنا	آرسی دِکھانا	-	آئینہ بتانا، حقیقت کو ظاہر کرنا
غنچہ	-	کلی	نکھار	-	تازگی

مشق

❋ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ غنچے کب چٹکتے ہیں؟

۲۔ شبنم کسے آرسی دِکھا رہی ہے؟

۳۔ پتّے کیوں تالیاں بجاتے ہیں؟

۴۔ صبح کے وقت پھول اور کانٹے کیسے دِکھائی دیتے ہیں؟

۵۔ ہر نظر رنگین ہونے سے کیا مراد ہے؟

❋ **نیچے دیے ہوئے مصرعوں کی مدد سے جوڑیاں لگا کر شعر مکمل کیجیے۔**

۱۔ سبزہ لہک رہا ہے ، کلیاں مہک رہی ہیں ....

۲۔ پھولوں میں نازکی ہے، کانٹوں میں تازگی ہے ....

۳۔ وادی ، پہاڑ ، جنگل ہر ایک جگمگایا ....

۴۔ فطرت بہار پر ہے ، دنیا نکھار پر ہے ....

الف۔ دریا کو جوش آیا ، ساحل بھی گنگنایا

ب۔ ہر شے ہے خوب صورت ، رنگین ہر نظر ہے

ج۔ باغوں میں ڈالیوں پر چڑیاں چہک رہی ہیں

د۔ ہر دل میں اِک خوشی ہے ، ہر سمت روشنی ہے

❋ **غور کرکے بتائیے:**

اگر بہار کا موسم نہ ہوتا تو باغوں اور جنگلوں کی کیا حالت ہوتی؟

❋ **اس نظم کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔**

❋ **'شام کے نظارے' پر دس جملے لکھیے۔**

ایک خواب

شمیم حنفی

پیدائش: ۱۴/ جنوری ۱۹۳۸ء

شمیم حنفی اُردو کے ایک ممتاز نقاد ہیں۔ تنقید کے علاوہ انھوں نے ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ انھیں بچوں کے ادب سے بھی دلچسپی ہے۔ 'کٹا ہوا ہاتھ' اور 'بھوتوں کا جہاز' ان کی کہانیوں کے مجموعے ہیں۔ انھوں نے دوسری زبانوں سے کئی ترجمے کیے ہیں۔ زیرِ نظر کہانی 'ایک خواب' ایک یونانی کہانی ہے جسے شمیم حنفی نے بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔

اس کہانی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آدمی کی تن درستی اُسی وقت برقرار رہ سکتی ہے جب جسم کے تمام اعضا مل جل کر اپنا کام انجام دیں۔

ایک رات ایک بڑے میاں نے خواب دیکھا۔ عجیب خواب تھا! کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے دونوں ہاتھ، دونوں پیر، منہ اور سارے دانت بری طرح پیٹ کو ڈانٹ رہے ہیں۔

پیر کہہ رہے تھے، "پیٹ رے پیٹ تو موٹا بھی ہے اور عقل کا کھوٹا بھی۔ کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا۔ ہم دِن بھر چلتے ہیں۔ بازار جاتے ہیں۔ کھانے پینے کا سامان لاتے ہیں۔ تو بس کھاتا ہے اور چین کی بنسی بجاتا ہے۔ نِٹھلّا کہیں کا۔"

یہ سُن کر دونوں ہاتھ بولے، "ہاں ہاں! پیر ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ اب ہمیں کو دیکھ۔ ہم کتنی محنت کرتے ہیں۔ باغ کی صفائی، گیہوں کی پِسائی۔ پھر آگ جلانا، کھانا پکانا، یہ سب ہمارے ذمّے۔ اور تو!.... سب کچھ چَٹ کر جاتا ہے۔ مُفت خورا!"

منہ، زبان اور دانتوں نے مِل کر پیٹ کی ہنسی اُڑائی۔ خوب کھری کھری سنائی۔ کہنے لگے، "ہم نہ ہوتے تو کیا تو بازار

جاتا، کیا قسم قسم کے پکوان اُڑاتا، ہاتھ پاؤں اپنا کام کر چکتے ہیں تو کھانا ہم چباتے ہیں۔ اس کا مزہ ہم بتاتے ہیں۔ اسے معدے تک ہم پہنچاتے ہیں۔ پیٹ رے پیٹ! تو ہو ملیا میٹ!"

یہ جھگڑا بہت دیر تک چلتا رہا۔ سبھی پنجے جھاڑ کر پیٹ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ آخر پیروں نے ایک تجویز پیش کی۔ تجویز یہ تھی کہ ہم سب کے سب پیٹ کے لیے کچھ کرنا دھرنا چھوڑ دیں۔

"واہ! کیا لاجواب بات سوچی ہے!" ہاتھ، منہ، زبان اور دانت ایک ساتھ بولے۔

"میاں پیٹ! اب تمھیں پتا چلے گا کہ کاہلی کی سزا کیا ہوتی ہے۔"

پیٹ بے چارہ چپ چاپ سب کی سنتا رہا۔ غصّے میں بُھنتا رہا۔ اس نے کسی کو کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ سچ مچ بہت موٹا تھا اور دیکھنے میں بڑا کاہل اور آرام پسند نظر آتا تھا۔

اب پیروں نے بازار جانا چھوڑ دیا۔ ہاتھوں نے سامان اُٹھانا اور کھانا پکانا چھوڑ دیا۔ منہ نے چُپ سادھ لی۔ دانتوں نے کھانا چبانا چھوڑ دیا۔ جب یہ سب چھوٹ گیا تو زبان نے بھی چیزوں کا ذائقہ بتانا چھوڑ دیا۔

اب بڑے میاں خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ صبح ہو چکی ہے۔ اپنی عادت کے مطابق انھوں نے بستر سے اُٹھنا چاہا مگر اُٹھتے تو تب جب سچ مچ جاگ چکے ہوتے۔ وہ تو بس خواب میں جاگے تھے۔ اُٹھنا چاہا تو لگا پاؤں بے جان ہو کر رہ گئے ہیں۔ پھر ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تو ہاتھوں نے بھی کوئی حرکت نہ کی۔ نہ منہ کھول سکے، نہ زبان سے کچھ بول سکے۔ یوں لگتا تھا جیسے بیمار پڑ گئے ہوں۔

خواب اسی طرح جاری رہا۔ کئی روز تک بڑے میاں اسی طرح پڑے رہے۔ دھیرے دھیرے ان کی طاقت جواب دیتی گئی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں! کہاں تو ہاتھ، پاؤں، منہ، زبان، دانت، جب دیکھو پیٹ کو جلی کٹی سناتے تھے اور بے چارہ پیٹ سب کی سنتا رہتا تھا۔ وہ کچھ نہ کہتا۔ کہتا بھی کیا! اور اب یہ حال تھا کہ کسی میں بھی کچھ کہنے کی سکت نہ رہ گئی تھی۔

پھر بڑے میاں کیا دیکھتے ہیں کہ مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے ان کا بدن سوکھ گیا ہے۔ کھال لٹک گئی ہے۔ رگیں اَینٹھ گئی ہیں۔ جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ موت سر پر کھڑی ہے۔ دُعا کی گھڑی ہے۔

اب ہاتھ، پاؤں، منہ، زبان، دانت اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ پیٹ سے لڑ بھی نہیں سکتے۔ خود کو حرکت بھی دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ پیٹ بھی پچک گیا ہے، بے جان سا پڑا ہے۔

اتنے میں بڑے میاں کے کانوں سے ایک کمزور سی آواز ٹکرائی۔ ان کا ایک پیر کہہ رہا تھا، "اے دوستو! ہمیں یہ بات مان لینی چاہیے کہ ہم سے بڑی بھول ہوئی۔ ہمارے پیٹ ہی نے اپنی رہی سہی طاقت کے بل پر ہمیں اب تک زندہ رکھا۔"

یہ سُن کر پیٹ بڑی اُداسی کے ساتھ مُسکرایا۔ پھر اس کے سننے میں یہ آیا کہ ہاتھ، پیر، منہ، زبان، دانت ایک آواز ہو کر کہہ رہے ہیں، "آؤ! ہم سب آج سے پھر اپنا اپنا کام شروع کر دیں۔" اس آواز کے ساتھ ہی بڑے میاں کی آنکھ کھل گئی۔

جاگ کر انھوں نے دیکھا کہ ان کے پاؤں چل سکتے ہیں۔ ہاتھ بوجھ اُٹھا سکتے ہیں۔ منہ کُھل سکتا ہے۔ زبان چل سکتی

ہے۔ دانت کھانے کا نوالہ چبا سکتے ہیں۔ وہ بالکل بھلے چنگے ہیں!

ناشتہ سامنے آیا تو انھوں نے اپنا خواب یاد کیا۔ اپنے آپ سے بولے، ہمارے جسم کے ہر حصّے کو دوسرے حصّوں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ سب مِل جل کر ہی کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ہاتھ، پاؤں، منہ، زبان، دانت اور پیٹ، جی ہاں، پیٹ بھی ...ان میں کوئی کسی کا دشمن نہیں۔ اگر ایک کام کرنا بند کردے تو دؤسروں کا کام بگڑ جائے گا۔ سب کے سب بیمار پڑ جائیں گے۔ سب اپنا فرض پہچانیں، کسی کو خود سے کم تر نہ جانیں۔ اس سے زندگی کی گاڑی صحت اور سکوٗن کے راستے پر چل سکے گی۔ آپس میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا تو گاڑی رک جائے گی۔

یہ سوچ کر بڑے میاں اپنے خواب پر خوب زور سے ہنسے۔ پھر مزے لے لے کر ناشتہ کرنے لگے۔

****

چین کی بنسی بجانا	عیش کرنا	چپ سادھ لینا	خاموش ہو جانا
نِٹھلّا	نِکمّا	طاقت جواب دینا	طاقت ختم ہو جانا
ہنسی اُڑانا	مذاق اُڑانا	جلی کٹی سنانا	برا بھلا کہنا
ملیامیٹ	ختم، برباد	سکت	طاقت
پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑنا	کسی کو بہت پریشان کرنا	فاقہ کشی	بھوکا رہنا
غصّے میں بھننا	بہت غصہ کرنا	کم تر	حقیر

مشق

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ خواب کس نے دیکھا؟

۲۔ پیٹ کی کس کس نے ہنسی اڑائی؟

۳۔ پیروں نے کیا تجویز پیش کی؟

۴۔ عادت کے مطابق بڑے میاں بستر سے کیوں نہ اُٹھ سکے؟

۵۔ کسی کو خود سے کم تر نہ سمجھنے کا کیا فائدہ ہے؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ خواب میں پیروں نے پیٹ سے کیا کہا؟

۲۔ پیروں کی بات سن کر ہاتھوں نے کیا کہا؟

۳۔ منہ، زبان اور دانتوں نے پیٹ کو کیا کھری کھری سنائی؟

۴۔ بڑے میاں نے بستر سے اُٹھنا چاہا تو کیا محسوس کیا؟

۵۔ ہاتھ، پاؤں، منہ، زبان اور دانت کو اپنی غلطی کا احساس کب ہوا؟

۶۔ خواب سے جاگنے کے بعد بڑے میاں نے کیا دیکھا؟

❋ مندرجہ ذیل محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

چین کی بنسی بجانا ، ہنسی اُڑانا ، پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑنا ، چُپ سادھ لینا ، جلی کٹی سنانا

❋ 'کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا' یہ ایک کہاوت ہے جو اس سبق میں آئی ہے۔ کہاوت سے بات میں زور پیدا ہوتا ہے۔ اپنے استاد کی مدد سے نیچے دی ہوئی ادھوری کہاوتوں کو مکمل کیجیے۔

۱۔ مان نہ مان .... ۲۔ آم کے آم ....

۳۔ آسمان سے گرا .... ۴۔ چار دن کی چاندنی ....

۵۔ ناچ نہ جانے .... ۶۔ جب تک سانس ....

غور کر کے بتائیے: اگر آنکھ اور کان کام کرنا چھوڑ دیں تو کیا ہوگا؟

سرگرمی: پیٹ، ہاتھ، پیر، منہ، زبان اور دانت کو کردار بنا کر اس کہانی کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیجیے۔

آئیے زبان سیکھیں

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے لہجے پر غور کیجیے:

۱۔ کہاں ہے شیر؟ ۲۔ کیسے تکلیف فرمائی؟

ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی سوال کیا گیا ہے اس لیے انھیں **سوالیہ جملے** کہتے ہیں۔ ایسے جملوں کے آخر میں **سوالیہ نشان (؟)** لگاتے ہیں۔

اب ان جملوں پر غور کیجیے۔

۱۔ واہ! کیا لا جواب بات سوچی ہے۔ ۲۔ ارے ارے! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔

پہلے جملے سے بولنے والے کی خوشی ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے جملے سے افسوس کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے جملوں کو **فجائیہ جملے** کہتے ہیں۔ ان کے آخر میں جو **نشان (!)** لگاتے ہیں اسے **'فجائیہ نشان'** کہتے ہیں۔

ذیل کے جملوں میں مناسب نشان لگائیے۔

(۱) ارے واہ آپ کب آئے (۲) کیا تم نے یہ کتاب پڑھی ہے

۱۵ آیا جاڑا

کیفؔ احمد صدّیقی

پیدائش: ۱۲؍جنوری ۱۹۴۳ء

کیفؔ احمد صدیقی سیتا پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام احتشام صدیقی ہے۔ اُردو کے اچھے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ 'گرد کا درد' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی نظمیں لکھی ہیں۔ ان نظموں میں بچوں کے روشن مستقبل کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ موسموں پر بھی انھوں نے خوب صورت نظمیں لکھی ہیں۔ بچوں کی نظموں کے تین مجموعے 'سدا بہار نظمیں'، 'دلچسپ نظمیں' اور 'دینی نظمیں' منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ 'آیا جاڑا' نظم میں ہماری زندگی اور جانوروں پر ہونے والے سردی کے اثرات کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

پڑھتا ہوا سردی کا پہاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا

بڑھ گئی سردی اپنی حد سے
کون بچے گا اس کی زد سے
بڑے بڑوں کو اس نے پچھاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا

دُھند ہی دُھند ہے، رات ہو یا دن
پُورب ، پچھّم ، اُتَّر ، دکّھن
کُہر نے اپنا جھنڈا گاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا

اپنی عمر میں ہم نے اب تک
دیکھی نہ اتنی غضب کی ٹھنڈک
وقت بنا سردی کا اکھاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا

سُورج بھیگی بِلّی بن کر
کانپ رہا ہے تھر تھر تھر تھر
موسم شیر کی طرح دہاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا

ٹھنڈ سے ہیں بے حال پرندے
چیخ رہے ہیں سارے درندے
جنگل میں ہاتھی چنگھاڑا
سی سی کرتا آیا جاڑا
بڑھتا ہوا سردی کا پہاڑا

****

جاڑا	-	سردی کا موسم
حد سے بڑھنا	-	بہت زیادہ ہونا
زد	-	مار
پچھاڑنا	-	گرا دینا، ہرا دینا
دھند	-	کہر
جھنڈا گاڑنا	-	فتح حاصل کرنا
بھیگی بِلّی بننا	-	دَبکنا، چُھپنا
بے حال	-	بُری حالت میں
درندے	-	شکار کرنے والے جانور

مشق

❋ نظم کی مدد سے خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ کون بچے گا اس کی .... سے
۲۔ دیکھی نہ اتنی .... کی ٹھنڈک
۳۔ سورج .... بلّی بن کر
۴۔ ٹھنڈ سے ہیں .... پرندے

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ سردی کا پہاڑا کون پڑھ رہا ہے؟
۲۔ جاڑے نے کسے پچھاڑا ہے؟
۳۔ دھند کہاں پھیلی ہوئی ہے؟
۴۔ 'کہر نے اپنا جھنڈا گاڑا' سے کیا مراد ہے؟
۵۔ سردی سے پرندوں اور جانوروں کا کیا حال ہے؟

❋ غور کر کے بتائیے:

شاعر نے سورج کا بھیگی بلّی بننا کس وجہ سے کہا ہے؟

سرگرمی:

۱۔ اپنے استاد سے معلوم کیجیے کہ دھند کیوں پھیلتی ہے؟
۲۔ پچھلی جماعت میں آپ بارش کے موسم پر نظم پڑھ چکے ہیں۔ گرمی کے موسم پر کوئی نظم آپ کو یاد ہو تو جماعت میں ترنّم سے سنائیے۔

۱۶

خط

فاروق سیّد

پیدائش: ۵ر ستمبر ۱۹۶۸ء

فاروق سیّد کا تعلق سولا پور سے ہے۔ آپ تلاشِ معاش کے سلسلے میں ممبئی آ کر بس گئے۔ ممبئی سے بچوں کے لیے ایک رسالہ ''گُل بوٹے'' شائع کرتے ہیں۔ آپ اس رسالے کے مدیرِاعلیٰ بھی ہیں۔ ماہنامہ گُل بوٹے میں شائع شدہ اداریوں کا مجموعہ ''چھوٹی سی بات'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ذیل کا خط آپ نے اپنی معلومات اور تحقیق کے سہارے لکھا ہے۔ ممبئی کو دنیا کے بڑے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسے عروس البلاد یعنی شہروں کی دُلہن بھی کہتے ہیں۔ اس سبق میں ممبئی کے چند قابلِ دید مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر بچوں کے دلوں میں ممبئی کی سیر کا شوق پیدا ہوگا۔

شاہ امتیاز بشیر

۱۱۵، پولیس لائن،

ماہم، ممبئی - ۰۱۶ ۴۰۰

۹ر نومبر ۲۰۱۴ء

پیارے ابّا جان!

السّلام علیکم

آپ کی دعاؤں سے میں یہاں خیریت سے ہوں۔

مجھے ممبئی پہنچے آٹھ روز ہو چکے ہیں۔ چچا جان کے ساتھ ممبئی کی کئی مشہور عمارتوں اور مقامات کی سیر کر چکا ہوں۔ اِتوار کی صبح میں چھترپتی شیواجی ٹرمنس پہنچا۔ چچا جان مجھے لینے کے لیے اسٹیشن پہنچ چکے تھے۔ پہلی مرتبہ اتنا بڑا اسٹیشن دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ چچا جان نے بتایا کہ اسٹیشن کی اس عمارت کو حال ہی میں قومی وِرثے کی عمارتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ اسٹیشن سے باہر نکل کر ٹیکسی کے ذریعے ہم چچا جان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

اسٹیشن کے سامنے مُمبئی مہانگر پالیکا کی بہت بڑی عمارت ہے۔ اُس کے قریب انجمن اسلام کا تعلیمی ادارہ اور ذرا آگے جج ہاؤس ہے۔

دؤسرے دن ہم گیٹ وے آف انڈیا دیکھنے گئے۔ یہاں موٹر بوٹ کے ذریعے سمندر کی سیر کرائی جاتی ہے۔ گیٹ وے آف انڈیا سے لائٹ ہاؤس کا نظارہ بہت خوب ہے۔ سامنے ہوٹل تاج محل پیلس کی شاندار عمارت کھڑی نظر آتی ہے۔

قریب ہی چھترپتی شیواجی میوزیم ہے۔ یہاں کئی نادر اور قدیم اشیا دیکھ کر میں دم بخود رہ گیا۔ پاس ہی ممبئی یونیورسٹی ہے۔ اس کے احاطے میں ایک بہت بڑا مینار ہے جسے راجا بائی ٹاور کہتے ہیں۔ مینار کے اؤپری سرے پر ایک گھڑیال نصب ہے۔ ودھان بھوَن کی خؤب صؤرت عمارت بھی یہاں

سے کچھ ہی فاصلے پر واقع ہے۔ آسمان کو چھوتی ہوئی اونچی اونچی عمارتوں والے اس علاقے کو نریمن پوائنٹ کہتے ہیں۔

ہم نے لوکل ٹرین کے ذریعے چرچ گیٹ سے چرنی روڈ جانے کا فیصلہ کیا، جہاں مچھلی گھر ہے۔ ہم ٹرین میں سوار ہوئے۔ اللہ کی پناہ! لوگ ڈبّے میں اس طرح سوار ہو رہے تھے جیسے کوئی بے رحمی سے انھیں ڈبے میں ٹھونس رہا ہو! بڑی مشکل سے ہم چرنی روڈ اسٹیشن اُترے۔ سامنے ہی مچھلی گھر کی خوب صورت عمارت ہے۔ یہاں دنیا کی عجیب وغریب، رنگ برنگی، چھوٹی بڑی غرض کہ مختلف قسم کی مچھلیوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان مچھلیوں کے لیے کانچ کے مرتبانوں میں سمندری ماحول فراہم کیا گیا ہے۔

مچھلی گھر سے ہم بس کے ذریعے مشہور تفریحی مقام گرگام چوپاٹی ہوتے ہوئے جوٗتا گھر پہنچے۔ جوٗتا گھر جوٗتے کی شکل کی ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ یہ جس باغ میں واقع ہے اسے کملا نہروٗ پارک کہتے ہیں۔

دوٗسرے دن ہم ڈبل ڈیکر بس میں سفر کا مزہ لیتے ہوئے مشہور چڑیا گھر رانی باغ پہنچے۔ یہاں طرح طرح کے جانور اور پرندے ہم نے دیکھے۔ پھر ہم حاجی علیؒ کے لیے روانہ ہوئے۔ حاجی علیؒ کی درگاہ سمندر میں ساحل کے قریب واقع ہے۔ پاس ہی ڈِسکوری آف انڈیا نہروٗ سینٹر اور نہرو پلانی ٹیریم کی عمارتیں ہیں۔ نہروٗ پلانی ٹیریم میں نظامِ شمسی اور ستاروں کی گردش کی معلومات دی جاتی ہے۔ قریب ہی نہرو سائنس سینٹر بنایا گیا ہے۔

ممبئی میں جگہ جگہ شاپنگ مال بن گئے ہیں جہاں ماچس کی ڈِبیا سے لے کر الیکٹرونک اشیا تک دستیاب ہیں۔ چچا جان نے بتایا کہ ممبئی میں جگہ کی قلّت، آبادی اور سواریوں کی کثرت سے بے شمار مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے ان مسائل پر قابوٗ پانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

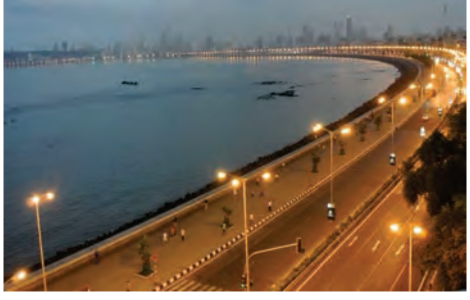

اسٹیشنوں کے پاس بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے اوٗنچے اوٗنچے اسکائی واک بنائے گئے ہیں جن پر چل کر آسانی سے سڑک کی دوٗسری جانب پہنچا جا سکتا ہے۔

باندرہ کے قریب سمندر میں بنا ہوا سی لِنک انجینئرنگ کا شاہکار ہے۔ یہ پُل ستونوں اور فولادی کمانیوں پر بنا ہوا ہے۔ رات میں اس پُل پر جگمگاتی

ہوئی روشنیاں اور اس پر سے گُزرتی ہوئی موٹریں انتہائی دل فریب منظر پیش کرتی ہیں۔

آج کل ممبئی میں مونو ریل اور میٹرو ریل کے بڑے چرچے ہیں۔ مونو ریل میں صرف دو ڈبّے ہوتے ہیں جبکہ میٹرو ریل میں ڈبّوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ انتہائی اونچائی پر بنے ہوئے پُلوں پر پٹریاں بچھائی گئی ہیں۔ یہ ٹرینیں انھیں پٹریوں پر دوڑتی ہیں۔ دونوں قسم کی ٹرینوں میں خودکار دروازے ہیں جو اسٹیشن آنے پر خود بخود کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ممبئی میں جگہ جگہ تفریحی مقامات ہیں اور یہ شہر اپنی خوب صورتی اور ترقّی کی وجہ سے دنیا کے اہم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ میں گھر آؤں گا تو یہاں کی ساری تصویریں آپ کو دِکھاؤں گا۔ آپ بہت خوش ہوں گے۔

امّی اور آپا کو آداب۔

آپ کا پیارا بیٹا

امتیاز

دنگ رہ جانا – حیران رہ جانا	نادر – کم ملنے والی
قومی ورثہ – قوم کی پرانی یادگاریں	نصب ہونا – جُڑا ہوا ہونا
لائٹ ہاؤس – روشنی کا مینار	اسکائی واک – بالائی راستہ، پیدل چلنے والوں کے لیے اونچائی پر بنایا گیا پُل
میوزیم – عجائب گھر	

مشق

❋ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

ا۔ امتیاز کو ممبئی آئے ہوئے کتنے دن ہو چکے ہیں؟

۲۔ خط میں اسٹیشن کے باہر کی کن تین عمارتوں کا ذکر ہے؟
۳۔ ممبئ یونیورسٹی کی خاص پہچان کیا ہے؟
۴۔ چھتر پتی شیواجی میوزیم میں کون سی اشیا ہیں؟
۵۔ حاجی علیؒ کی درگاہ کہاں واقع ہے؟
۶۔ ممبئ دنیا کے اہم شہروں میں کیوں شمار ہوتا ہے؟

❋ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ اس خط میں جن مقامات کا ذکر ہے ان کی فہرست بنائیے۔
۲۔ مچھلی گھر کے بارے میں خط میں کون سی معلومات دی گئی ہے؟
۳۔ خط میں گیٹ وے آف انڈیا کے بارے میں کیا بات بتائی گئی ہے؟

❋ **مفصل جواب لکھیے۔**

ممبئ میں بھیڑ بھاڑ اور ٹریفک کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں؟

❋ **ذیل میں دی ہوئی عمارتوں اور مقامات کے ناموں کو سبق میں آنے والی ترتیب سے لکھیے۔**

حج ہاؤس	چھتر پتی شیواجی میوزیم	ممبئ یونیورسٹی	چھتر پتی شیواجی ٹرمنس
اسکائی واک	رانی باغ	مچھلی گھر	گیٹ وے آف انڈیا

❋ **سبق سے وہ جملے تلاش کرکے لکھیے جن میں درج ذیل نام آئے ہیں۔**

(۱) ممبئ مہانگر پالیکا	(۲) ہوٹل تاج محل پیلس
(۳) وِدھان بھَوَن	(۴) گرگام چوپاٹی
(۵) حاجی علیؒ	(۶) شاپنگ مال
(۷) سی لِنک	(۸) مونوریل

سرگرمی:

۱۔ اپنے استاد سے ودھان بھون، نہرو پلانی ٹیریم اور سائنس سینٹر کی معلومات حاصل کیجیے۔
۲۔ اس خط میں جن مقامات کا ذکر ہے ان کی تصویریں حاصل کیجیے اور اپنی جماعت میں بتائیے۔

تلاش

عبدالکمال خان

عبدالکمال خان کا تعلق ممبئی سے ہے۔ ان کے بہت سے طنزیہ اور مزاحیہ ڈرامے بچوں کے رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔
اس ڈرامے میں ممبئی شہر کے ایک علاقے کا ذکر ہے جہاں ایک دیہاتی کسی شخص کا پتا پوچھ رہا ہے۔ لوگ اس کی رہنمائی نہیں کرتے جس کے سبب وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

کردار :
دیہاتی ، چشمے والا ، نوجوان ، موٹا شخص ، سیب والا ، پان والا

(پردہ اُٹھتا ہے)

(پردہ اُٹھتے ہی اسٹیج کے ایک طرف ایک پان والے کی دکان دِکھائی دیتی ہے۔ ایک دیہاتی جھولا لٹکائے حیران اور پریشان اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے)

دیہاتی : (زور سے بڑبڑاتے ہوئے) نہ جانے کہاں آ کر پھنس گیا ہوں۔ کوئی ڈھنگ کا آدمی ملتا ہی نہیں، سب اپنے کاروبار میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ آخر کس سے پوچھوں؟

(ایک شخص چشمہ لگائے ہوئے سامنے سے گزرتا ہے)

دیہاتی : (آواز لگاتے ہوئے) بھائی صاحب! کیا آپ میری بات سنیں گے؟

چشمے والا : (غصّے سے دیہاتی کی طرف دیکھ کر) کیوں نہیں! کیا میں بہرا ہوں جو نہیں سنوں گا؟

دیہاتی : (کچھ گھبرا کر) جی نہیں..... میرا مطلب یہ نہیں تھا۔

چشمے والا : تو پھر کیا مطلب تھا تمھارا؟

دیہاتی : جی، میں آپ سے ایک پتا پوچھنا چاہتا ہوں۔

چشمے والا : پتا پوچھنے کے لیے کیا میں ہی ملا ہوں تمھیں؟ کیا میں کوئی پوسٹ مین ہوں؟

دیہاتی : معاف کرنا بھائی، غلطی ہو گئی۔

(چشمے والا بڑبڑاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ دیہاتی پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے)

دیہاتی : یہ تو چلا گیا، اب کیا کروں؟

(سامنے سے ایک نوجوان کان میں ایئر فون لگائے ہوئے آتا ہے)

دیہاتی : اس نوجوان سے پوچھتا ہوں۔ پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ (زور سے پکارتا ہے) اے بھائی، ذرا سننا تو....

نوجوان : (ایئرفون کو کان سے ہٹا کر) کیا ہے؟

دیہاتی : بھائی، مجھے کچھ پوچھنا ہے۔

نوجوان : پوچھیے ....جلدی پوچھیے ۔ میری ٹرین کا وقت ہو رہا ہے۔

دیہاتی : بھائی ....میں مرزا شرف الدین سے ملنے آیا ہوں ۔ وہ .....

نوجوان : کون شرف الدّین .....وہ ڈاڑھی والے؟

دیہاتی : نہیں ....اُن کے ڈاڑھی نہیں ہے۔

نوجوان : کیا اُن کا سر گنجا ہے؟

دیہاتی : جی نہیں ....

نوجوان : اُن کا کچھ اتا پتا.....؟

دیہاتی : (سوچتے ہوئے) پتا....کیا نام ہے اُس جگہ کا....کوئی واڑی ہے۔

نوجوان : آپ سوچتے رہیے۔ میری گاڑی چھوٹ جائے گی۔ (چلا جاتا ہے)

دیہاتی : یا خدا! اب کس سے پوچھوں؟ (پریشان ہو کر پھر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے)

(اتنے میں ایک موٹا شخص مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے دیہاتی کے سامنے سے گزرتا ہے)

دیہاتی : (موٹے شخص کے قریب جا کر) بھائی صاحب ذرا رُکیے۔ (موٹا شخص رُک جاتا ہے)

(دیہاتی سر اُٹھا کر) شکر ہے خدا! ایک شریف آدمی تو ملا۔ اسی سے پوچھتا ہوں۔ جناب .....

موٹا شخص : (غصّے سے دیہاتی کو گھُور کر) کیا کہا؟ شریف آدمی ..... اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتے ہو؟ طنز کر رہے ہو مجھ پر؟

دیہاتی : آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔

موٹا شخص : (اور بھی غصّے سے) میں غلط سمجھ رہا ہوں؟ گویا میں بے وقوف ہوں اور آپ صحیح فرما رہے ہیں؟

دیہاتی : افوہ! آخر .....

موٹا شخص : (آنکھیں نکال کر) افوہ! ایک تو دوسروں پر طنز کرتے ہو اور 'افوہ' بھی کرتے ہو۔

دیہاتی : اچھا جناب، معاف کیجیے۔

موٹا شخص : (اُچھل کر) معاف کیجیے! معاف کیجیے؟ پہلے میری بے عزّتی کی اور اب کہتے ہو، معاف کیجیے ..... یہاں بھکاری سے کہتے ہیں معاف کرو۔ کیا میں تمھیں بھکاری لگتا ہوں؟

دیہاتی : اے خدا! نہ جانے کہاں پھنس گیا ہوں۔

موٹا شخص : (گھُورتے ہوئے) پھنس گیا ہوں ..... کیا میں نے تمھیں پھنسایا ہے .....؟

دیہاتی : (دونوں کان پکڑ کر) بھائی غلطی ہو گئی .....!

موٹا شخص : (بڑبڑاتا ہے) پتا نہیں کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں۔ (جاتا ہے)

دیہاتی : چلا گیا؟ چلو جان چھوٹی ..... مگر کیا کروں؟ عجیب لوگ ہیں یہاں کے۔ اب کس سے پتا پوچھوں؟ (سامنے دیکھتا ہے جہاں ایک شخص سیب سے بھری ٹوکری لیے بیٹھا زور زور سے چلّا رہا ہے) چلو اب اسی سے پوچھتا ہوں۔ (سیب والے کے پاس جاتا ہے) بھیّا سیب والے!

سیب والا : سو روپے کلو۔ ایک پیسہ کم نہیں۔

دیہاتی : بھیّا، مجھے سیب نہیں چاہیے۔ کچھ پوچھنا ہے۔

سیب والا : اچھا چلو اسّی روپے سے دیتا ہوں مگر اب ایک پیسہ کم نہیں کروں گا۔

دیہاتی : لیکن مجھے .....

سیب والا : بس جو کہہ دیا، کہہ دیا۔ (چلّانے لگتا ہے) سو روپے کلو، سو روپے کلو۔

دیہاتی : بھائی سیب والے، مجھے ایک جگہ کا پتا چاہیے۔ ذرا مہربانی کر کے .....

سیب والا : معاف کرنا اپنے دھندے کا ٹائم ہے۔ اپنے کو فرصت نہیں، بعد میں آنا۔ سو روپے کلو سیب! سو روپے کلو!

(دیہاتی واپس آ کر پھر اسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ سامنے پان والا بار بار اس دیہاتی کو دیکھتا ہے پھر اپنے کام میں لگ جاتا ہے)

دیہاتی : (بڑبڑاتے ہوئے) ایسا لگتا ہے دوبارہ گاؤں واپس جانا پڑے گا۔ یہاں آئے تھے نوکری ڈھونڈنے کے لیے

....واہ! یہ کوئی شہر ہے.......اور یہاں کے لوگ.......!

(اچانک سامنے نظر پڑتی ہے۔ پان والا اسے اشارے سے بلا رہا ہے۔ دیہاتی فوراً وہاں پہنچتا ہے)

پان والا : کیوں بھائی، کسے ڈھونڈ رہے ہو؟ بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ کچھ پریشان سے نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے؟

دیہاتی : (اُداسی سے) کیا بتاؤں بھائی؟ بڑی دیر سے ایک ایک سے پتا پوُچھ رہا ہوں۔ عجیب لوگ ہیں یہاں کے، کسی کی سنتے ہی نہیں۔ میں اپنے گاؤں سے آیا ہوں۔ بڑی مشکل سے ٹکٹ کا پیسہ حاصل کیا تھا مگر.......

پان والا : کس جگہ کا پتا چاہیے؟

دیہاتی : (سوچنے لگتا ہے) ارے، کیا نام تھا۔ افوہ! دیکھو، بھوُل گیا۔ کوئی اچھّا سا نام تھا کسی ترکاری پر....بیگن....نہیں... آلو...پیاز...آخر....؟

پان والا : کہیں گاجرواڑی تو نہیں؟

دیہاتی : (اُچھل جاتا ہے) ہاں ہاں، بالکل یہی نام ہے اس جگہ کا۔

پان والا : تو بھائی! جہاں تم کھڑے ہو، وہی گاجرواڑی ہے۔

دیہاتی : (آنکھیں پھاڑ کر) کیا؟ یہی؟ یعنی؟ (دیہاتی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتا ہے)

پان والا : ارے بھائی کیا ہوا تمھیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟

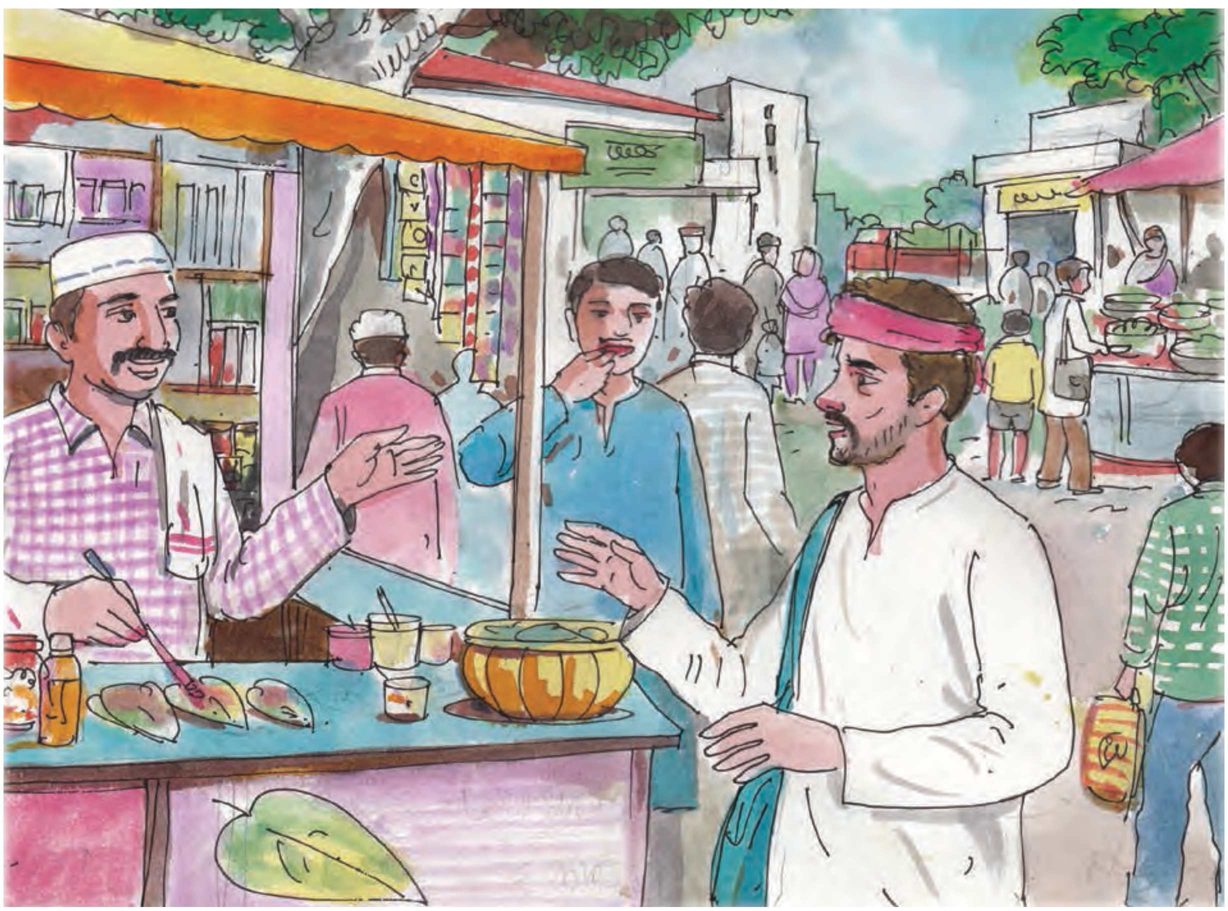

دیہاتی : (سنبھل کر) اگر یہی گا جرواڑی ہے تو... یہاں صرف ایک تمھاری ہی پان کی دکان نظر آ رہی ہے... کہیں تم .....

پان والا : کیوں؟ آخر کیا بات ہے؟ تم کون ہو؟

دیہاتی : میرا نام کریمو ہے۔ تم شرفو تو نہیں؟

پان والا : ارے بالکل! میرا نام شرفو ہے۔ کیا تمھیں رحیم چاچا نے بھیجا ہے؟ انھوں نے مجھے فون کیا تھا کہ تم آنے والے ہو۔

دیہاتی : ارے، شرفو تم..... (دونوں خوشی سے ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

****

جان چھوٹنا – چھٹکارا ہونا، پیچھا چھوٹنا

آنکھیں پھاڑ کر – حیرت سے

مشق

❋ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ دیہاتی کی ملاقات پہلے کس سے ہوتی ہے؟

۲۔ دیہاتی نے چشمے والے کو کیوں روکا؟

۳۔ نوجوان کان میں کیا لگائے ہوئے تھا؟

۴۔ دیہاتی نے نوجوان کے بارے میں کیا اندازہ لگایا؟

۵۔ نوجوان کو کس بات کی جلدی تھی؟

۶۔ موٹے شخص کے بارے میں دیہاتی نے کیا سوچا؟

۷۔ دیہاتی کس سے ملنا چاہتا تھا؟

۸۔ دیہاتی کو اشارے سے کس نے بلایا؟

۹۔ دیہاتی کا اصل نام کیا تھا؟

۱۰۔ اپنی کس غلطی کی وجہ سے دیہاتی پریشان ہوا؟

۱۱۔ دیہاتی نے پریشان ہو کر اپنا سر کیوں پکڑ لیا؟

۱۲۔ شرفو کا اصل نام کیا تھا؟

❋ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ سیب والے نے دیہاتی کو کیا جواب دیا؟

۲۔ دیہاتی نے کن لوگوں سے پتا پوچھا؟

۳۔ مایوس ہوکر دیہاتی کیا سوچنے لگا؟

۴۔ پان والے نے دیہاتی سے کیا پوچھا؟

۵۔ دیہاتی نے پان والے کو کیا جواب دیا؟

❋ یہ جملے کس نے کہے؟

۱۔ "نہ جانے کہاں آکر پھنس گیا ہوں۔"

۲۔ "کیا میں پوسٹ مین ہوں؟"

۳۔ "کیا اُن کا سر گنجا ہے؟"

۴۔ "کیا میں تمھیں بھکاری لگتا ہوں؟"

۵۔ "معاف کرنا، اپنے دھندے کا ٹائم ہے۔"

۶۔ "کیوں بھائی، کسے ڈھونڈ رہے ہو؟"

❋ غور کرکے بتائیے۔

اس ڈرامے کا عنوان 'تلاش' ہے۔ آپ غور کرکے کوئی دوسرا مناسب عنوان بتائیے۔

❋ صفحہ ۵۶ کی تصویر میں آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ اسے بیان کیجیے۔

سرگرمی:

اگر کوئی اجنبی آپ سے کہیں کا پتا پوچھے تو آپ کیا کریں گے؟ اپنے دوستوں سے بات چیت کیجیے کہ ہم ایسے اور کون سے اچھے کام کر سکتے ہیں۔

۱۸ قدم بڑھاؤ دوستو

بشر نواز

پیدائش: ۱۸/اگست ۱۹۳۵ء وفات: ۹/جولائی ۲۰۱۵ء

بشر نواز اُردو کے ایک اہم شاعر ہیں۔ ان کا تعلق اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے ہے۔ 'رائیگاں' اور 'اجنبی سمندر' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

ذیل کی نظم میں بشر نواز نے بچوں کو مسلسل اچھے کام کرتے رہنے کی ترغیب دی ہے اور مشکلوں سے نہ گھبرا کر آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے۔

قدم بڑھاؤ دوستو ، قدم بڑھاؤ دوستو
چلو کہ ہم کو منزلیں بُلا رہی ہیں دُور سے
چلو کہ سارے راستے دُھلے ہوئے ہیں نُور سے
چمن کُھلا کُھلا سا ہے
اُفُق دُھلا دُھلا سا ہے
دِیے جلاؤ راہ میں ، وطن کا نوسنگھار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو ، قدم بڑھاؤ دوستو
سفر کی ابتدا ہے یہ ، ابھی رُکو نہ راہ میں
پہاڑ ہو کہ غار ہو ، نہ لاؤ تم نگاہ میں
روش پُرانی چھوڑ کر
قدم قدم سے جوڑ کر
چلے چلو کہ وقت کو تمھارا انتظار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو ، قدم بڑھاؤ دوستو

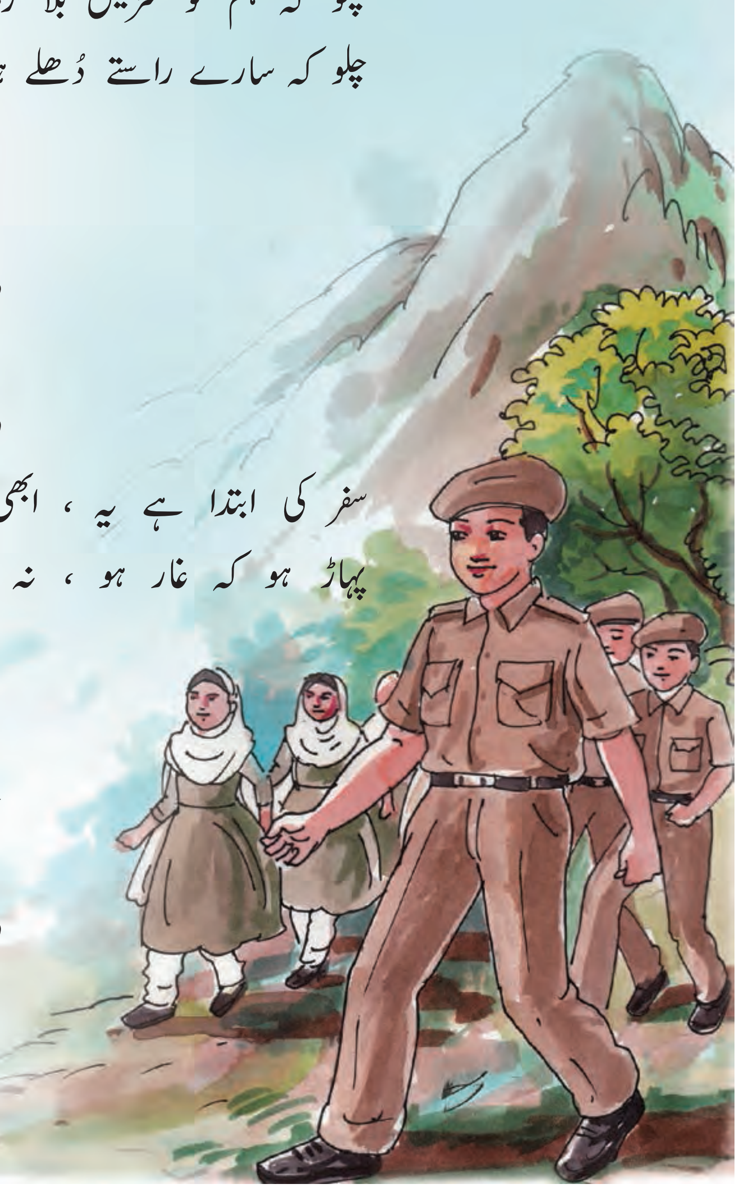

کہو ، وطن کی خاک ہی کو گلستاں بنائیں گے
روش روش کو اس چمن کی کہکشاں بنائیں گے
کلی کلی نکھار کے
جلاؤ دیپ پیار کے
ہمیں خود اپنے گلستاں پہ آج اختیار ہے
نئی نئی بہار ہے
قدم بڑھاؤ دوستو ، قدم بڑھاؤ دوستو

****

راستے ڈھلے ہوئے ہیں نور سے	راستوں پر روشنی پھیلی ہوئی ہے۔
اُفق	جہاں زمین اور آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
نوسنگھار	نئی سجاوٹ
نگاہ میں نہ لانا	پروانہ کرنا
روش	طریقہ، راستہ
خاک کو گلستاں بنائیں گے	وطن کو سجائیں گے، ترقی کریں گے
کہکشاں	رات کے وقت آسمان میں دِکھائی دینے والا تاروں کا دودھیا پٹّا
دیپ	چراغ
اختیار	قابو، حق

مشق

❄ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ مسافروں کو کون بلا رہا ہے؟
۲۔ راستے کیسے ہیں؟
۳۔ اپنی منزل کی طرف کیسے بڑھنا چاہیے؟
۴۔ شاعر وطن کی خاک کو کیا بنانا چاہتا ہے؟
۵۔ شاعر کون سے دیپ جلانا چاہتا ہے؟

غور کرکے بتائیے : پیار کے دیپ جلانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

سرگرمی : نظم کے وہ مصرعے لکھیے جن میں لفظوں کی تکرار آئی ہے۔

۱۹ نام اور کام

اس سبق میں کام کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ پانچویں جماعت کا ایک بھولا بھالا طالب علم اپنے ہم جماعت دوستوں کی شرارت سے پریشان ہوکر ہیڈ ماسٹر کے پاس پہنچتا ہے اور اپنا نام بدلنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ وجہ پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ میرے دوست میرا نام بگاڑ کر مجھے چڑاتے ہیں۔ تب ہیڈ ماسٹر اس طالب علم کو بہت ہی پیار سے سمجھاتے ہیں کہ نام سے کچھ نہیں ہوتا، انسان کا کام اہم ہوتا ہے۔

وہ پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ بہت سیدھا سادا اور بھولا بھالا۔ اس کی جماعت میں دو تین طالب علم بہت شریر تھے۔ ہمیشہ اُسے ستاتے رہتے اور اس کا صحیح نام لینے کی بجائے 'کلّوکلّو' کہہ کر چڑاتے تھے۔ وہ ہمیشہ یہی سوچتا رہتا کہ دنیا میں نام کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر میں اس نام کی بجائے کوئی دوسرا اچّھا سا نام رکھ لوں تو ساتھیوں کی چھیڑ خانی سے بچ جاؤں گا۔

ایک دِن اس کے ساتھیوں نے اسے بہت تنگ کیا۔ پریشانی کے عالَم میں وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے آفس پہنچ گیا۔ اندر آنے کی اجازت لی اور ان کے سامنے جاکر خاموش کھڑا ہوگیا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور بڑی نرمی سے پوچھا، "کیا بات ہے؟ اتنے پریشان کیوں ہو؟"

اس نے ہمّت کر کے کہنا شروع کیا، "جناب ! میرے والدین نے میرا جو نام رکھا ہے میرے ساتھی اسے بگاڑ کر مجھے چِڑاتے رہتے ہیں۔ مہربانی کر کے میرا نام بدل کر کوئی اچھّا سا نام رکھ دیجیے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُسے سمجھایا، "دیکھو بیٹا ! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یوں بھی دنیا میں نام اہم نہیں ہوتا۔ اصل اہمیت کام کی ہوتی ہے۔ تمھیں اپنے نام کے لیے اتنا فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب کی باتوں سے اُسے تسلّی نہیں ہوئی۔ وہ چُپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔ اُنھوں نے ہمدردی سے کہا، "لگتا ہے تم نام بدلنا ہی چاہتے ہو۔ خیر، تمھارا نام تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن تمھیں اپنی پسند کا نام خود تلاش کرنا ہوگا۔"

"میں اپنا نام کس طرح تلاش کروں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے سوچتے ہوئے کہا، "ایسا کرو...... اپنے محلّے کا دورہ کرو۔ لوگوں کے نام معلوم کرو۔ اُن ناموں کی ایک فہرست بناؤ اور اس میں سے ایک نام پسند کرلو۔ آٹھ دن بعد اسی وقت آ کر مجھ سے ملاقات کرنا۔"

وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آیا۔ دوسرے روز سے ہیڈ ماسٹر صاحب کے بتائے ہوئے طریقے پر اس نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ وہ روزانہ چُھٹّی کے بعد گھر لَوٹتا اور تازہ دم ہو کر محلّے کے دورے پر نکل جاتا۔ گلیوں میں گھومتا پھرتا اور لوگوں کے نام معلوم کر کے فہرست میں لکھ لیتا۔ اس کے محلّے میں سینکڑوں لوگ رہتے تھے۔ سبھی کے نام لکھنا ممکن نہ تھا۔ اس نے ایک آسان ترکیب ڈھونڈ نکالی۔ وہ صرف اُنھیں لوگوں کے نام لکھتا جو محلّے ہی میں نہیں، آس پاس بھی معروف تھے اور اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ چار پانچ دنوں میں فہرست مکمّل ہوگئی۔ اس نے سوچا، اب اس میں سے کسی نام کا انتخاب کر لینا چاہیے۔

اس نے فہرست دیکھی۔ کل پچّیس نام تھے۔ وہ ایک ایک نام پر نظر ڈالتا گیا: یہ ڈاکٹر محمد فاروق ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں اللہ نے شفا دی ہے۔ ان کے دواخانے میں ہمیشہ مریضوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ یہ ایڈوکیٹ محمد نعیم ہیں۔ قانون میں زبردست مہارت رکھنے والے۔ بڑی محنت اور لگن سے مقدّمات کی پیروی کرتے ہیں۔ بہت سے مقدّمات جیت چکے ہیں۔ یہ انجینئر احسان الحق ہیں۔ شہر کی کئی عالیشان عمارتیں ان کی فنّی مہارت کا ثبوت ہیں۔ محلّے میں سب سے شاندار آفس انھیں کا ہے۔ یہ عظمت بیگ صاحب ہیں۔ کسی سرکاری محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ بڑے کرّوفر سے رہتے ہیں۔ کار سے آفس آتے جاتے ہیں۔ اگلا نام نعمت اللہ صاحب کا ہے۔ یہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ ان کی دکان کی چمک دمک دیکھ کر راہ گیر چلتے چلتے رک جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ گاہکوں میں گھِرے رہتے ہیں۔ انھیں بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ غرض فہرست کے سارے لوگ نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کے حکم کے مطابق طالب علم مقرّرہ دن ٹھیک وقت پر اُن کے آفس میں پہنچ گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوُچھا، "تم نے میری ہدایت پر عمل کیا ہوگا؟"

"جی جناب !" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب بتاؤ، تم نے اپنے لیے کون سا نام پسند کیا؟" انھوں نے پوچھا۔

اس نے ادب سے کہا، "سر! میرے محلّے میں کئی مشہور لوگ رہتے ہیں۔ اُن کے نام بھی بڑے اچھّے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے لیے کون سا نام منتخب کروں۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا، "ٹھیک ہے۔ یہ مشکل میں حل کیے دیتا ہوں۔ تم محلّے میں کئی دنوں تک گھومے پھرے۔ تمھارے محلّے میں لوگ سب سے زیادہ عزّت کس شخص کی کرتے ہیں؟"

"جی..... سعید احمد صاحب کی۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

"بس تم اپنا نام سعید احمد رکھ لو۔ لوگ تمھاری بھی اتنی ہی عزّت کرنے لگیں گے جتنی ان کی کرتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لوگ نام کی وجہ سے اُن کی عزّت نہیں کرتے۔" وہ بے اختیار بول اُٹھا۔

"پھر کس وجہ سے کرتے ہیں؟" ہیڈ ماسٹر صاحب نے سوال کیا۔

"وہ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ اپنے پڑوسیوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ محلّے میں کوئی بھی بیمار پڑ جائے، سعید احمد صاحب اس کا حال چال جاننے کے لیے موجود۔ وہ ہر ایک سے بڑی محبّت سے ملتے ہیں۔" اچانک اس کے ذہن میں بجلی کی طرح کوئی خیال آیا۔ وہ بولتے بولتے تھوڑی دیر کے لیے رُکا، پھر بڑے جوش سے کہنے لگا، "سر! اب میں سمجھ گیا۔ نام سے زیادہ انسان کا کام اہم ہوتا ہے۔ اب میں نام بدلنے کا خیال اپنے دل سے نکال دوں گا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے خوش ہوکر کہا، "شاباش! تم نے بہت صحیح نتیجہ نکالا کہ سعید احمد صاحب کی عزّت ان کی خوبیوں کی وجہ سے ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

وہ آفس کے دروازے تک پہنچا تھا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے آواز دی اور کہا، "ایک خوش خبری سن لو۔ تمھاری جماعت کے جو ساتھی تمھیں پریشان کرتے تھے اُنھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔"

وہ خوشی سے جھومتا ہوا اپنی جماعت کی طرف روانہ ہوا جہاں اس کے سب ساتھی اس کا انتظار کر رہے تھے۔

****

انتخاب کرنا	چُننا	عہدے پر فائز ہونا	عہدے پر مقرر ہونا
ان کے ہاتھوں میں اللہ نے شفا دی ہے	ان کے علاج سے لوگ اچھے ہوجاتے ہیں۔	کرّوفر	شان وشوکت
مہارت رکھنا	کسی کام میں بہت لائق ہونا	نمایاں	خاص، واضح
		منتخب کرنا	چننا

مشق

❋ **ایک جملے میں جواب لکھیے۔**

۱۔ پانچویں جماعت کا طالب علم اپنے ساتھیوں سے کیوں پریشان تھا؟

۲۔ طالب علم اپنے نام کے متعلق ہمیشہ کیا سوچتا رہتا تھا؟

❋ **مختصر جواب لکھیے۔**

۱۔ پہلی ملاقات میں طالب علم نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے کیا کہا؟

۲۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے کیا سمجھایا؟

❋ **مفصّل جواب لکھیے۔**

۱۔ محلّے کے لوگوں کے نام کی فہرست کس طرح تیار ہوئی؟

۲۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور طالب علم کی دوسری ملاقات بیان کیجیے۔

❋ **اس سبق میں لفظ 'فکر مند' آیا ہے۔ 'مند' لگا کر ایسے ہی دوسرے پانچ الفاظ بنائیے۔**

❋ **جائزہ لیجیے:**

۱۔ اپنے دوست سے گفتگو کیجیے کہ آپ کی جماعت میں کون سے ناپسندیدہ واقعات ہوتے ہیں۔ اس گفتگو میں کسی کا نام نہ لیا جائے۔

۲۔ آپ کی کسی بات سے جماعت کے کسی ساتھی کی دل آزاری تو نہیں ہوتی۔

❋ **غور کر کے بتائیے:**

اس سبق میں جس طرح بتایا گیا ہے، اس طرح آپ کو کوئی پریشان کرتا تو آپ کیا کرتے؟

❋ **ذیل کے سوال کے متعلق اپنے دوستوں سے بات چیت کیجیے:**

ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، افسر، تاجر، دوسروں کی بھلائی کے کیا کام کر سکتے ہیں؟

سرگرمی:

معلوم کیجیے، کیا سعید احمد صاحب کی طرح کوئی شخص آپ کے محلّے میں موجود ہے۔ ان سے ملاقات کیجیے۔

۲۰

وقت کا گیت

شفقؔ رضوی عماد پوری

شاعر نے اس نظم میں وقت کی اہمیت بتائی ہے اور اس بات کی بھی نشان دہی کی ہے کہ وقت کے کھونے سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں۔

مُسافر نہیں میں ٹھہر جانے والا
اِدھر آنے والا ، اُدھر جانے والا
نہاں ہو کے مثلِ نظر جانے والا
نگاہوں سے پَل میں گزر جانے والا
وہ ہوُں آنے والا کہ جو آ کے جائے
وہ ہوُں جانے والا کہ جاکر نہ آئے

اگر آج آیا تو کل جانے والا
میں ہوُں ہاتھ آ کر نکل جانے والا
کوئی آن میں ہوُں بدل جانے والا
زمیں پر میں سایہ ہوُں ڈھل جانے والا
نہ کھو مجھ کو نادان ، غفلت میں سوکر
جو سوتے ہیں ، پاتے نہیں مجھ کو کھوکر

وہ دولت ہوں ، مُفلس بنے جو لُٹائے
وہ نعمت ہوں ، جاکر نہ جو ہاتھ آئے
وہ قسمت ہوں ، خوش قسمتی سے جو پائے
جگہ اپنی ہر دل میں انساں بنائے
جو پیارا کہے مجھ کو ، پیارا وہی ہے
دو عالَم کی آنکھوں کا تارا وہی ہے

خبردار ، او بے خبر سونے والے
جو ہیں سونے والے ، وہ ہیں کھونے والے
متاعِ گراں مایہ کے کھونے والے
ہیں آخر پشیماں بہت ہونے والے
جو رہرو ہے ، رہزن سے ہشیار ہوجا
چلا قافلہ ، جلد بیدار ہوجا

****

نہاں	چھپا ہوا	پشیماں ہونا	شرمندہ ہونا
مثلِ نظر	نظر کی طرح، پلک جھپکتے ہی	رہرو	راہ چلنے والا
ہاتھ آ کر نکل جانا	ہاتھ آ کر کھو جانا	رہزن	لٹیرا
دو عالَم کی آنکھوں کا تارا	دنیا میں سب کو پسند آنے والا	بیدار ہونا	جاگنا، ہوشیار ہونا
متاعِ گراں مایہ	قیمتی دولت		

مشق

❄ نظم کی مدد سے خانہ پُری کیجیے۔

وہ .... ہوں ، مفلس بنے جو لٹائے
وہ .... ہوں ، جاکر نہ جو ہاتھ آئے
وہ .... ہوں ، خوش قسمتی سے جو پائے
جگہ اپنی ہر .... میں انساں بنائے

❄ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ نظم میں مسافر کسے کہا گیا ہے؟
۲۔ اس نظم میں وقت کو کس قسم کا سایہ کہا گیا ہے؟
۳۔ شاعر نے نادان کسے کہا ہے؟
۴۔ آخر میں کس کو پشیمانی ہوتی ہے؟

❄ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

۱۔ وہ ہوں آنے والا کہ جو آ کے جائے — وہ ہوں جانے والا کہ جا کر نہ آئے
۲۔ متاعِ گراں مایہ کے کھونے والے — ہیں آخر پشیماں بہت ہونے والے

❄ غور کیجیے : آپ دن بھر روزانہ کون کون سے کام انجام دیتے ہیں؟ کیا ان میں ایسے بھی کام شامل ہیں جن کا کرنا غیر ضروری ہے؟

کدّو عرف لوکی

یوسف ناظم

پیدائش : ۷؍نومبر ۱۹۲۱ء وفات: ۲۳؍جولائی ۲۰۰۹ء

یوسف ناظم جالنہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بہت سے طنزیہ ومزاحیہ مضامین لکھے ہیں۔ ’دیوار یے‘، ’سائے ہم سائے‘ وغیرہ ان کے مضامین کے مجموعے ہیں۔ ’پلک نہ مارو‘ بچوں کے لیے لکھے گئے ان کے مضامین اور ڈراموں کا مجموعہ ہے۔

اس سبق میں کدّو عرف لوکی جیسی ایک عام ترکاری کے تعلق سے بڑی مزے دار اور دلچسپ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مضمون کو پڑھتے ہوئے آپ کو لطف بھی آئے گا اور آپ کی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔

کدّو بھی کیا ترکاری ہے۔ اس کے دو نام ہیں : ایک کدّو، دوسرا لوکی۔ لوکی اچھّی ہوتی ہے جبکہ کدّو اچھّا ہوتا ہے لیکن دونوں کا مزہ ایک سا ہوتا ہے۔ کدّو کی قسمیں بھی دو ہیں۔ لمبا کدّو جسے یا تو کھڑا رکھنا پڑتا ہے یا ٹوکری میں لٹانا پڑتا ہے۔ لیٹا ہوا کدّو ایک لمبے قد کے بچّے کی طرح دِکھائی دیتا ہے جو پالنے میں سو رہا ہو۔ لمبے کدّو بیٹھ نہیں سکتے کیونکہ اُن کے گھٹنے نہیں ہوتے کہ موڑے جاسکیں۔ جس طرح لمبے کدّو بیٹھ نہیں سکتے اسی طرح بیٹھنے والے کدّو کھڑے نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ فٹ بال کی طرح گول مٹول ہوتے ہیں اس لیے صرف لڑھک سکتے ہیں۔ فٹ بال میں ہوا بھری ہوتی ہے اور کدّو میں گودا بھرا ہوتا ہے۔ گول کدّو جگہ زیادہ گھیرتے ہیں اس لیے کم تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے کدّوؤں کو شکرقندی کدّو بھی کہا جاتا ہے۔ لوگ کچھ بھی کہیں ہوتا تو وہ کدّو ہی ہے۔

کدّو ان ترکاریوں میں سے ایک ہے جس کا میٹھا بنایا جائے تو گاجر کے حلوے کو بھی مات دے دے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو حلوہ بنانا آتا ہو۔ کدّو اور گاجر میں فرق یہ ہے کہ کدّو کا میٹھا انگوری رنگ کا ہوتا ہے اور گاجر کا حلوہ سرخ انار کے رنگ کا، مگر رنگ سے ہمیں کیا لینا، مطلب تو حلوہ کھانے سے ہے۔

کدّو اور تربوز کی شکلیں ملتی جلتی ہیں۔ مگر شکلیں ملنے سے کیا ہوتا ہے کیونکہ کدّو تربوز نہیں بن سکتا اور تربوز کدّو نہیں بن سکتا۔ تربوز کے ٹھاٹ ذرا نرالے ہیں۔ اُسے گھر کے آنگن میں پیدا نہیں کیا جاسکتا، اسے ندی کا کنارا چاہیے۔ کدّو گھریلو ترکاری ہے۔ اگر آپ کے گھر کے آنگن میں کونے

خالی پڑے ہیں تو ایک کونے میں کدّو پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ کدّو کو آرام پہنچانے کی خاطر ایک منڈوا بھی بنا دیتے ہیں۔ یہ منڈوا گھر میں پڑی پرانی لکڑی سے بنایا جاتا ہے۔ خبردار! منڈوے میں نئی لکڑی استعمال نہ کی جائے کیونکہ نئی لکڑی پر بیل چڑھنے میں وقت لگتا ہے۔ گھر میں جو کدّو پیدا ہوتے ہیں، وہ کھیت میں پیدا ہونے والے کدّوؤں کے مقابلے میں ذرا دُبلے ہوتے ہیں۔ ان کا قد بھی چھوٹا ہوتا ہے لیکن ان کا ذائقہ بہت مزے دار ہوتا ہے۔ کدّو کا گوُدا بہت نرم ہوتا ہے اور رنگ سفید۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سفید ریشم کا لچھا ہو۔ جی تو چاہتا ہے کہ جس حالت میں ہے، اُسی حالت میں کھا لیا جائے لیکن ایسا کرنا نہیں چاہیے۔ اسے پکانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

دو لمبے لمبے کدّو اگر بچّوں کے ہاتھ میں تھما دیے جائیں تو بچّے جنگ کے کھیل میں کافی دیر تک مصروف رہ سکتے ہیں۔ کدّو تو نہیں ٹوٹیں گے لیکن بچوں کی اچھّی خاصی ورزش ہوجائے گی۔ بھوُک بھی کُھل کر لگے گی۔ بعد میں یہی کدّو ان کے کھانے کے کام آئیں گے۔

آدمیوں کے مزاج کی طرح ترکاریوں کا بھی مزاج ہوتا ہے۔ کدّو کا مزاج ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کھانے کے بعد پیٹ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کی تاثیر میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہ ہضم بھی جلد ہو جاتا ہے لیکن صرف کدّو کے سہارے تو زندگی گزاری نہیں جا سکتی اسی لیے ہر وہ ترکاری، چاہے وہ زمین کے اندر پیدا ہوتی ہو یا زمین کے اوپر، نظروں کے سامنے کھانی چاہیے۔

ہمارا کام تھا کہ تمھیں کدّو اور لوکی سے واقف کرادیں۔ تمھارا جو جی چاہے کھاؤ۔

****

پالنا – جھوُلا	تاثیر – اثر
مات دینا – ہرا دینا، شکست دینا	واقف کرانا – معلومات دینا
انگوُری رنگ – انگور کے رنگ کا، ہلکا سبز رنگ	

مشق

❋ سبق کی مدد سے خانہ پُری کیجیے۔

۱۔ کدّو بھی کیا .... ہے۔

۲۔ لوکی .... ہوتی ہے جبکہ کدّو .... ہوتا ہے۔

۳۔ کدّو میں .... بھرا ہوتا ہے۔

۴۔ کدّو کی تاثیر میں .... ہوتی ہے۔

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ کدّو کی کتنی قسمیں بتائی گئی ہیں؟

۲۔ گول کدّو اور فٹ بال میں کیا فرق ہے؟

۳۔ گول کدّو کو اور کیا کہتے ہیں؟

۴۔ کدّو کو گھریلو ترکاری کیوں کہا گیا ہے؟

۵۔ لمبے کدّوؤں سے بچّے کیا کام لیتے ہیں؟

۶۔ کدّو اور گاجر کے حلوے میں کیا فرق ہے؟

❋ مفصّل جواب لکھیے۔

۱۔ مصنف نے لمبے کدّو اور گول کدّو میں کیا فرق بتایا ہے؟

۲۔ سبق میں کدّو کے کیا استعمال بتائے گئے ہیں؟

❋ اس سبق میں مصنف نے بڑے دلچسپ اور مزاحیہ انداز میں کدّو کا تعارف کرایا ہے۔ سبق سے ایسے جملے چن کر لکھیے جو آپ کو بہت پسند آئے ہیں مثلاً لمبے کدّو بیٹھ نہیں سکتے کیونکہ ان کے گھٹنے نہیں ہوتے کہ موڑے جاسکیں۔

سرگرمی:

۱۔ معلوم کیجیے کہ آپ کے علاقے میں کدّو کو کیا کہا جاتا ہے اور آپ کے گھر میں اس سے کون کون سی چیزیں بنائی جاتی ہیں؟

۲۔ اپنے استاد سے کہیے کہ 'چل رے کدّو ٹھمک ٹھمک' کی کہانی سنائے۔

۲۲

شہد کی مکّھی اور بِھڑ

عروجؔ قادری

پیدائش : ۱۹۱۱ء وفات: ۱۹۸۶ء

مشہور شاعر عروجؔ قادری نے طلبہ کی اصلاح کے لیے کئی نظمیں لکھی ہیں۔ وہ بڑے دلکش اور پر لطف انداز میں نصیحت کرتے ہیں۔ اس نظم میں شاعر نے یہ کہا ہے کہ اچھی سیرت غیروں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔ آدمی حسن و خوب صورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اچھے اخلاق اور میٹھے بول کی وجہ سے بڑا بنتا ہے۔

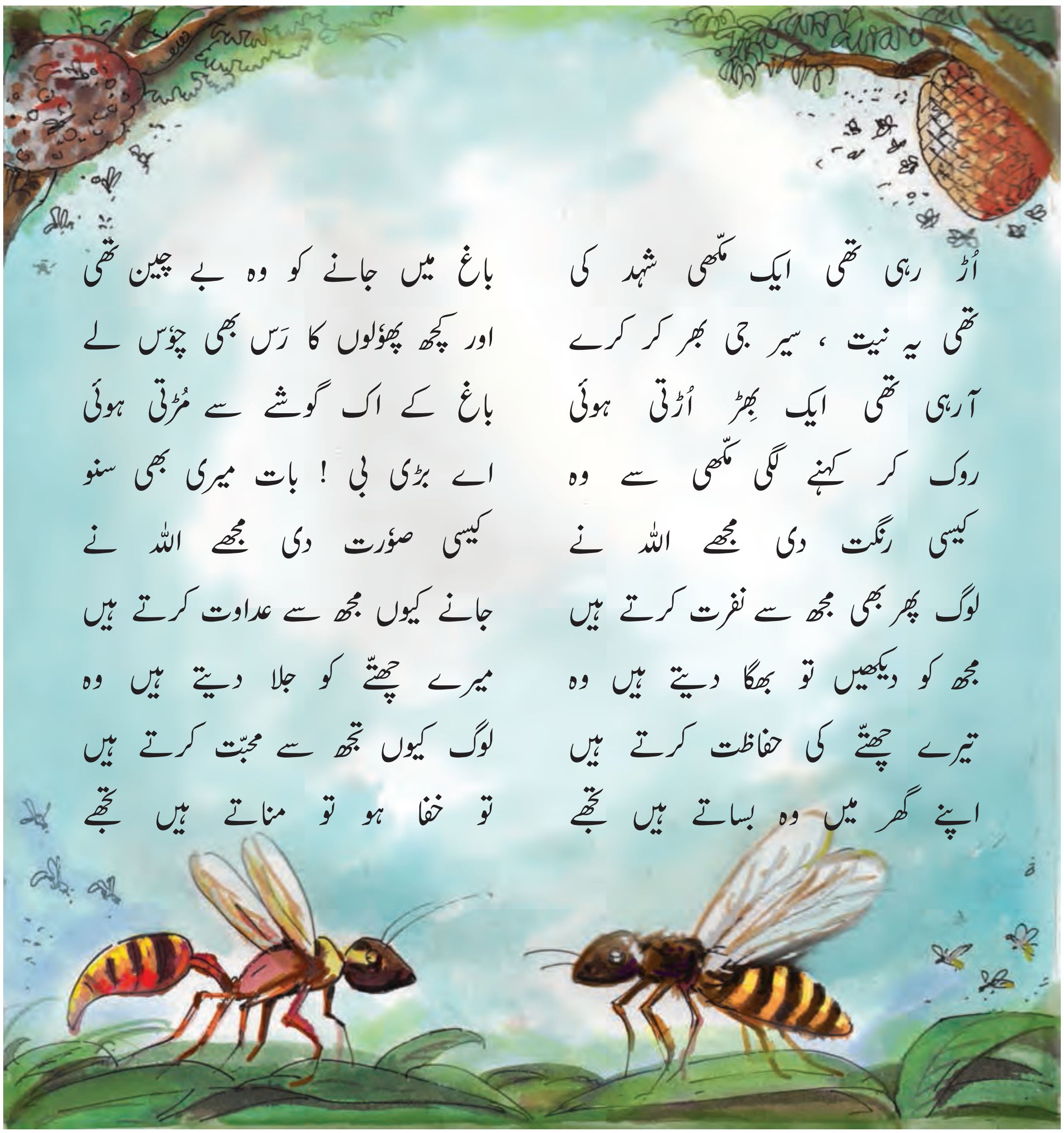

اُڑ رہی تھی ایک مکّھی شہد کی
باغ میں جانے کو وہ بے چین تھی

تھی یہ نیت ، سیر جی بھر کر کرے
اور کچھ پھُولوں کا رَس بھی چوُس لے

آ رہی تھی ایک بِھڑ اُڑتی ہوئی
باغ کے اک گوشے سے مُڑتی ہوئی

روک کر کہنے لگی مکّھی سے وہ
اے بڑی بی ! بات میری بھی سنو

کیسی رنگت دی مجھے اللہ نے
کیسی صوُرت دی مجھے اللہ نے

لوگ پھر بھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں
جانے کیوں مجھ سے عداوت کرتے ہیں

مجھ کو دیکھیں تو بھگا دیتے ہیں وہ
میرے چھتّے کو جلا دیتے ہیں وہ

تیرے چھتّے کی حفاظت کرتے ہیں
لوگ کیوں تجھ سے محبّت کرتے ہیں

اپنے گھر میں وہ بساتے ہیں تجھے
تو خفا ہو تو مناتے ہیں تجھے

شہد کی مکّھی نے یہ سُن کر کہا	میں بتاتی ہوں تجھے ، ہے بھید کیا
میٹھی میٹھی چیز اک لاتی ہوں میں	شہد اپنے منہ سے ٹپکاتی ہوں میں
شہد کیا ، گویا ہے جنّت کی غذا	رکھی ہے اللہ نے اُس میں شفا
ریجھنا صورت پہ کچھ اچھّا نہیں	ریجھنا رنگت پہ کچھ اچھا نہیں
اچھّی سیرت اصل ہے ، صؤرت ہے کیا
ہو بُری سیرت تو پھر عزّت ہے کیا

****

بِھڑ - شہد کی مکھی جیسا ایک قسم کا زرد زہریلا کیڑا
عداوت - دشمنی
بھید - راز
ریجھنا - بہت پسند کرنا
سیرت - اچھی عادتیں، اچھے اخلاق

مشق

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

١۔ شہد کی مکّھی باغ میں کیوں آئی تھی؟
٢۔ شہد کی مکّھی کو باغ میں کون ملا؟
٣۔ لوگ بِھڑ کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟
٤۔ لوگ بِھڑ اور شہد کی مکّھی میں سے کس کے چھتّے کی حفاظت کرتے ہیں؟
٥۔ شہد کی مکّھی نے شہد کے بارے میں کیا کہا؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

١۔ بِھڑ نے لوگوں کے سلوک کے بارے میں کیا شکایت کی؟
٢۔ لوگ شہد کی مکّھی کو کن باتوں کی وجہ سے پسند کرتے ہیں؟
٣۔ شہد کی مکّھی نے سیرت اور صورت میں کیا فرق بتایا ہے؟

❋ باغ میں شہد کی مکّھی اور بِھڑ میں ہونے والی بات چیت کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سرگرمی : دو بچّے مل کر شہد کی مکّھی اور بِھڑ کی بات چیت کو مکالمے کی صورت میں جماعت میں سنائیں۔

محمد حاجی صابو صدّیق

احمد اقبال

پیدائش : ۵؍نومبر ۱۹۴۰ء

احمد اقبال اورنگ آباد کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک وظیفہ یافتہ مدرّس اور اچھے ادیب ہیں۔ 'میرا شہر میرے لوگ' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔

'محمد حاجی صابو صدیق پالی ٹیکنک' ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جس سے ہر سال سیکڑوں طالب علم فیض پاتے ہیں۔ اس سبق میں احمد اقبال نے اس باوقار ٹیکنیکل ادارے کے بانی 'محمد حاجی' اور اُن کے خاندان کی فلاحی خدمات کے بارے میں معلومات دی ہے۔

آپ نے حاتم طائی کا نام ضرور سنا ہوگا۔ حاتم کی سخاوت، مہمان نوازی اور دردمندی کے قصّے آج بھی مشہور ہیں۔ وہ ضرورت مندوں اور غریبوں کا ہمدرد اور مددگار تھا۔ آج ہم آپ کو ممبئی کے ایک ایسے ہی سخی اور دور اندیش شخص کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اُن کا نام محمد حاجی اور ان کے والد کا نام صابو صدّیق تھا۔ محمد حاجی کا انتقال ۱۹۰۸ء میں صرف ۲۳ سال کی عمر میں ہوگیا تھا۔ اس کم عمری میں انھوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے کئی کام کیے تھے۔

آج سے کوئی سو سال پہلے محمد حاجی آپ ہی کی طرح بچّے تھے۔ ان کے والد صابو صدّیق شکر کے بہت بڑے تاجر تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے ملک میں شکر کے کارخانے نہیں تھے۔ ماریشس سے شکر درآمد کی جاتی تھی۔ اُن کا کاروبار لاکھوں میں نہیں، کروڑوں میں تھا۔ دولت کی فراوانی تھی۔ گھرانا دین دار تھا۔ اُن میں دردمندی اور لوگوں کی مدد کرنے کا جذبہ بھی تھا۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے، خاص طور پر مسلمانوں کے مسائل؛ جیسے غریبی، مُفلسی، بے کاری اور تعلیمی پس ماندگی کے بارے میں غور و فکر کیا کرتے۔ وہ سوچتے تھے کہ مسلمان نوجوان تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی ضرور سیکھیں تا کہ معاشرے میں باعزّت زندگی گزار سکیں۔ ضرورت مندوں کی مدد کا جذبہ محمد حاجی کو اپنے والد سے ملا تھا۔

جب محمد حاجی کی عمر صرف بیس سال کی تھی، اُن کے والد کا انتقال ہوگیا۔ وہ کروڑوں کی جائداد اور کاروبار کے مالک بن گئے۔

محمد حاجی صابو صدّیق نے ملّت کی بھلائی کے لیے سب سے پہلے صنعت و حرفت کا اسکوٗل کھولنے کا ارادہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں کوئی ایسا اسکول نہ تھا جہاں طلبہ کو مختلف قسم کے ہنر سِکھائے جاتے ہوں۔

محمد حاجی صابو صدّیق نے اس طرح کے اسکوٗل کے قیام کا ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ اس عظیم مقصد کے لیے اٹھارہ لاکھ روپے بینک میں جمع بھی کرادیے۔ اس زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔ ۱۹۳۶ء میں اس رقم سے ممبئی میں بائیکلہ کے قریب 'محمد حاجی صابو صدّیق ٹیکنیکل اسکول' قائم کیا گیا جہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہزاروں طلبہ عزّت اور خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس اسکوٗل کے قیام کے بعد بے روزگاری اور بے کاری میں کمی ہونے لگی اور عام لوگ بھی مختلف پیشہ ورانہ تعلیم اور ہنر کے کاموں کی طرف متوجہ ہونے لگے۔

'محمد حاجی صابو صدّیق ٹیکنیکل اسکول' کے قیام کے ٹھیک دس سال بعد ۱۹۴۶ء میں ممبئی کے مشہور تعلیمی ادارے

انجمن اسلام نے اس اسکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انجمن اسلام کی سرپرستی اور بہتر انتظام کی وجہ سے یہ اسکول ترقّی کی منزلیں طے کرتا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں اسے پالی ٹیکنک کالج کا درجہ مل گیا۔ پالی ٹیکنک اس کالج کو کہتے ہیں جہاں میٹرک کے بعد طلبہ ہنرمندی کے مختلف پیشہ ورانہ کام سیکھتے ہیں۔ کامیاب ہونے کے بعد انھیں ڈِپلوما دیا جاتا ہے۔

محمد حاجی صابوصدّیق پالی ٹیکنک کالج کی ترقّی کی اگلی منزل ۱۹۸۴ء میں آئی جب حکومت نے اسے 'انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی' کا درجہ دیا۔ اب اس کالج میں انجینئرنگ کی پڑھائی بھی ہوتی ہے۔ اس ادارے سے ہر سال سیکڑوں ڈپلوما اور ڈگری یافتہ انجینئر نکلتے ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ باہر کے ملکوں کی بڑی بڑی صنعتی و تجارتی کمپنیوں میں اعلیٰ عہدوں پر خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنی مادرِ علمی کا نام روشن کررہے ہیں۔ صابوصدّیق انسٹی ٹیوٹ کی سلور جُبلی ۱۹۶۱ء میں منائی گئی۔ اس موقع پر وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرؤ نے خاص طور پر شرکت کی تھی اور اس ادارے کی تعلیمی خدمات اور حسنِ انتظام کو سراہا تھا۔

محمد حاجی کے والد صابوصدّیق بھی بڑے نیک تھے۔ وہ ضرؤرت مندوں کی مدد کے لیے ہمیشہ آگے آگے رہتے۔ یوں تو اُن کے خدمتِ خلق کے بہت سے کام ہیں لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ 'حاجی صابوصدّیق مسافر خانہ' ہے جو حج کے لیے جانے والے مسافروں کے لیے بنوایا گیا تھا۔

آپ کو ایک اور بات بتاتے ہیں، وہ یہ کہ آج کل لوگ حج کے لیے ملک کے مختلف حصّوں سے ہوائی جہاز کے ذریعے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے لوگ ممبئی کی بندرگاہ سے پانی کے جہاز کے ذریعے حج کے لیے جاتے تھے اس لیے لوگ مہینہ، ڈیڑھ مہینہ پہلے ممبئی پہنچ جایا کرتے تھے۔ سمندری جہاز سے سفر کے لیے بھی پندرہ بیس دن کا عرصہ لگتا تھا۔ ایسے میں حج کے مسافروں کی سہولت کے لیے صابوصدّیق نے یہ مسافر خانہ بنوایا تھا۔

صابوصدّیق نے رفاہِ عام کے اور بھی کام کیے ہیں مثلاً انھوں نے ایک اسپتال بنوایا جہاں نومولؤد بچّوں اور ان کی ماؤں کی دیکھ بھال اور علاج معالجے کا انتظام ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ایک سینی ٹیریم بھی بنوایا تھا۔

اُن کے بھائی آدم صاحب نے ممبئی کے مدن پورہ میں بڑی مسجد بنوائی۔ انھیں کے خاندان کی ایک خاتون نے بھی ایک مسجد تعمیر کروائی تھی۔

محمد حاجی صابوصدّیق اور ان کے خاندان نے لوگوں کی بھلائی اور بہبود کے بہت سے کام کیے ہیں۔ اس خاندان نے اپنی فلاحی خدمات کا ایک ایسا ورثہ چھوڑا ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ ملک کے لوگ ان کے احسانوں کو آج بھی یاد کرتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔

****

دوراندیش - دور کی سوچنے والا
فلاح و بہبود - بھلائی
درآمد کرنا - غیر ملک سے مال سامان منگوانا
فراوانی - زیادتی
پس ماندگی - پچھڑا پن
معاشرہ - سماج
مادرِ علمی - طالب علم جس اسکول میں تعلیم حاصل کرے۔

حسنِ انتظام - انتظام کی خوبی
خدمتِ خلق - لوگوں کی خدمت
رفاہِ عام - عام لوگوں کی بھلائی
نومولود - نیا نیا پیدا ہونے والا بچہ
سینی ٹیریم - ایسا مقام جہاں پرانے مریضوں کو علاج اور دیکھ بھال کے لیے رکھا جاتا ہے (Sanitarium)

مشق

ایک لفظ میں جواب لکھیے۔

۱۔ حاتم طائی اپنی کس خوبی کی وجہ سے مشہور ہے؟
۲۔ صابوصدیق ماریشس سے شکر کیوں درآمد کرتے تھے؟
۳۔ صابوصدیق کہاں کے رہنے والے تھے؟
۴۔ صابوصدیق کس چیز کی تجارت کرتے تھے؟
۵۔ والد کے انتقال کے وقت محمد حاجی کی عمر کتنے سال کی تھی؟
۶۔ انتقال کے وقت محمد حاجی کی عمر کتنے سال کی تھی؟
۷۔ محمد حاجی نے کون سا ادارہ قائم کیا؟
۸۔ ۱۹۶۱ء میں کون سا اہم واقعہ ہوا؟
۹۔ آج کل حج کے لیے جانے والے کس ذریعے سے سفر کرتے ہیں؟
۱۰۔ صابوصدیق کے بھائی کا کیا نام تھا؟

مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ صابوصدیق کے کارناموں کی معلومات لکھیے۔
۲۔ صابوصدیق نے حاجیوں کی خدمت کے لیے کیا انتظام کیا؟
۳۔ محمد حاجی اور صابوصدیق نے کس کس مقصد کے تحت ادارے قائم کیے؟

درج ذیل لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

مہمان نوازی ، کم عمری ، فراوانی ، مفلسی ، بے روزگاری ، سرپرستی

آئیے زبان سیکھیں

درج ذیل جملے غور سے پڑھیے۔

۱۔ اسے ایک چمکدار شے نظر آئی۔

۲۔ ان کے والد بڑے تاجر تھے۔

۳۔ اس عظیم مقصد کے لیے اٹھارہ لاکھ روپے بینک میں جمع کرائے۔

'چمکدار، بڑے، عظیم' یہ الفاظ خط کشیدہ کیے گئے ہیں جو 'شے، تاجر اور مقصد' کی صفت بتاتے ہیں۔

جو الفاظ موصوف کی ذاتی خصوصیت بتاتے ہیں انھیں **'صفتِ ذاتی'** کہتے ہیں۔

اب ان جملوں کو غور سے پڑھیے۔

۱۔ وہ سائنسی آلات بھی تجربہ گاہ تک لے جاتی تھی۔

۲۔ کدو کا میٹھا انگوری رنگ کا ہوتا ہے۔

۳۔ سمندری جہاز سے سفر کے لیے بہت وقت لگتا تھا۔

خط کشیدہ الفاظ 'سائنسی، انگوری، سمندری' یہ الفاظ 'آلات، رنگ، جہاز' سے نسبت رکھتے ہیں۔ انھیں **'صفتِ نسبتی'** کہتے ہیں۔

ان جملوں میں صفتِ ذاتی تلاش کر کے لکھیے۔

(۱) وہ کالے گھوڑے پر سوار تھا۔

(۲) یہ غریب آدمی بہت محنت کرتا ہے۔

ان جملوں میں صفتِ نسبتی تلاش کر کے لکھیے۔

(۱) انگریزی زبان سیکھنا بہت ضروری ہے۔

(۲) انھوں نے صنعتی تعلیم کے اسکول جاری کیے۔

عجیب تحفے

مقبول جہانگیر

مقبول جہانگیر لاہور کے رہنے والے ہیں اور اُردو کی خدمت ترجموں کے ذریعے کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے بچوں کے لیے دنیا کے کئی ملکوں کی زبانوں سے کہانیوں کے ترجمے کیے ہیں۔ 'عجیب تحفے' دو سہیلیوں کی ایک مشہور چینی کہانی ہے۔ جس میں ان کے رہن سہن کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ ترجمے کی زبان نہایت صاف و سلیس ہے۔

عرصہ گُزرا، چین کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں دو لڑکیاں رہتی تھیں۔ نام تو اُن کے کچھ اور تھے مگر اُن کی مائیں پیار سے اُنھیں چنبیلی اور چاندنی کے نام سے پکارا کرتی تھیں اور بھئی، وہ تھیں بھی بڑی خوب صوٗرت اور پیاری پیاری! دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ وہ ہمیشہ ایک ساتھ کھانا کھاتیں، ساتھ کھیلتیں اور ساتھ ہی پڑھنے جاتیں۔ گاؤں میں تقریباً روزانہ ہی کسی نہ کسی گھر میں شادی بیاہ اور دعوتیں ہوتی تھیں۔ چنبیلی اور چاندنی کو دعوتوں میں جانے کا بڑا شوق تھا۔ جب کبھی اس قسم کی کوئی دعوت ہوتی، وہ سب سے پہلے وہاں موجود ہوتیں۔

وقت گُزرتا رہا اور آخر وہ دن بھی آیا جب اُن دونوں کی شادی کر دی گئی۔ دونوں کے خاوند آپس میں حقیقی بھائی تھے اور نزدیک کے گاؤں میں رہتے تھے۔

چنبیلی اور چاندنی اپنے نئے گھر میں آ کر بڑی خوش تھیں لیکن جب انھیں اپنے گاؤں کی دعوتوں کا خیال آتا تو وہ اُداس ہو جاتیں۔ بھاگی بھاگی اپنی ساس کے پاس جاتیں اور اس سے کہتیں، "پیاری امّاں! اگر آپ اجازت دیں تو چند دنوں کے لیے ہم اپنے گاؤں چلی جائیں۔"

ساس فوراً انھیں جانے کی اجازت دے دیتی اور کیوں نہ دیتی! دونوں لڑکیاں اس کی خدمت بھی تو بہت کیا کرتی تھیں۔ شرؤع شرؤع میں وہ انھیں خوشی سے جانے کی اجازت دے دیتی لیکن جب ہر تیسرے چوتھے روز وہ گاؤں جانے لگیں تو ساس بڑی پریشان ہوئی۔

ایک دن وہ اپنے دِل میں کہنے لگی، "میری بہوئیں اپنے گھر میں ٹک کر بیٹھنا پسند نہیں کرتیں۔ کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے کہ اُن کی یہ عادت چھوٹ جائے۔"

چند روز بعد چنبیلی اور چاندنی خوب صوٗرت لباس پہن کر اپنی ساس کی خدمت میں پہنچیں اور کہا، "امّاں جان! اگر آپ کہیں تو ہم اپنے گاؤں چلی جائیں۔ ہماری ایک سہیلی کی شادی ہے اور ہمیں اُس میں ضرؤر شریک ہونا ہے۔"

ساس نے جواب دیا، "ہاں ہاں میری بچّیو! خوشی سے جاؤ لیکن جب واپس آؤ تو میرے لیے دو تحفے لیتی آنا۔ اگر تم وہ تحفے نہ لائیں اور خالی ہاتھ واپس آئیں تو میں زندگی بھر تم سے نہیں بولوں گی۔"

”امّاں جان! آپ فرمائیں تو۔ آپ جو چیز کہیں گی، وہ ہم ضرور لائیں گے،“ دونوں لڑکیوں نے جواب دیا۔

”اچھّا تو پھر غور سے سنو،“ ساس کہنے لگی، ”چنبیلی! تم میرے لیے کاغذ میں آگ لانا اور چاندنی! تم کاغذ میں ہوا لے کر آنا۔ بس یہی دو چیزیں میں چاہتی ہوں۔“

دونوں لڑکیاں اپنے گاؤں جانے کے لیے اتنی بے چین تھیں کہ اُنھوں نے ساس کے الفاظ پر غور ہی نہ کیا اور سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا، ”ہاں ہاں پیاری امّاں! آپ جو چاہتی ہیں، ہم لے آئیں گے۔“

راستے میں اچانک چنبیلی کو ساس کے الفاظ یاد آ گئے اور وہ سوچنے لگی کہ میں کاغذ میں آگ کیسے لے جاؤں گی؟ یہ بات تو بالکل ناممکن ہے۔ یہی خیال چاندنی کو بھی آیا کہ میں کس طرح ہوا کو کاغذ میں لے جاسکتی ہوں! یہ بات بھی پہلی بات کی طرح ناممکن تھی۔ چاندنی بھی اُداس ہوگئی۔

دونوں پریشان بیٹھی تھیں کہ ایک چھوٹی سی بچّی قریب کے ایک کھیت سے نکلی اور اُن کے پاس آ کر بولی، ”تم اُداس اور پریشان کیوں ہو؟ مجھے اپنی مشکل بتاؤ، شاید میں تمھاری مدد کرسکوں۔“

چنبیلی اور چاندنی نے ساری داستان اُس لڑکی کو سنائی جسے سن کر وہ کہنے لگی ”تم نے بہت بے وقوفی کی جو ایسا وعدہ کرلیا۔ اچھا خیر، ہم مل کر سوچیں گے کہ اس معمّے کو کیسے حل کیا جائے۔“

تینوں لڑکیاں ایک مکان کی ڈیوڑھی میں بیٹھ گئیں اور سوچنے لگیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ لیکن وہ جتنا زیادہ سوچتیں اتنا ہی زیادہ اُنھیں یہ بات مشکل نظر آتی۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کاغذ میں آگ اور کاغذ میں ہوا کس طرح لے جائی جاسکتی ہے۔

اچانک اُن کی نئی سہیلی خوشی سے اُچھل پڑی اور دوڑتی ہوئی اپنے گھر میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی جو کاغذ کی بنی ہوئی تھی اور اُس کے اندر ایک موم بتّی جل رہی تھی۔

”دیکھو،“ وہ چلاّ کر بولی، ”کاغذ کے اندر آگ!“

”آہا!... کیسی عجیب بات ہے!“ چنبیلی نے خوش ہوکر کہا۔ ”یہی وہ تحفہ ہے جو میری ساس نے منگوایا ہے۔“

لیکن چاندنی اب بھی اُداس بیٹھی رہی۔ اس کے مَن کی مراد پوُری نہ ہوئی تھی۔ یکایک لڑکی پھر خوشی سے اُٹھی۔ بھاگتی ہوئی اپنے گھر میں گئی اور جب باہر نکلی تو اس کے ہاتھ میں کاغذ کا بنا ہوا پنکھا تھا۔

”دیکھو!“ وہ بولی، ”کاغذ میں ہوا۔“

”آہا!... کتنی عجیب بات ہے،“ چاندنی نے خوش ہوکر کہا۔ ”یہی وہ تحفہ ہے جو میری ساس نے مجھ سے منگوایا تھا۔“

چنبیلی اور چاندنی نے اپنی نئی سہیلی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور شادی میں جانے کی بجائے اپنے گھر واپس آ گئیں۔

ساس نے اُنھیں دیکھا تو حیرت سے بولی، ”ارے! تم اتنی جلدی واپس آ گئیں۔ شادی میں نہیں گئیں؟“

”جی نہیں...،“ انھوں نے کہا۔ ”ہم نے سوچا کہ ہماری پیاری امّاں نے جو تحفے منگائے ہیں وہ جلد سے جلد پہنچا دیں۔“

چنبیلی نے اپنا ہاتھ اونچا کر کے ساس کو کاغذ کی لالٹین دِکھائی جس کے اندر موم بتّی جل رہی تھی اور پھر چاندنی نے کاغذ کا پنکھا جھلا تو ہوا ساس کے چہرے پر لگی۔

"شاباش!" ساس نے کہا۔"اس بار تو تم جیت گئیں لیکن یاد رکھو اگر اب تم نے بار بار کہیں جانے کا نام لیا تو ایسے تحفے لانے کے لیے کہوں گی جو تم کبھی نہ لا سکو گی۔"

****

معمّہ - پیچیدہ بات

ڈیوڑھی - دہلیز

مشق

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ دونوں لڑکیوں کو ان کی مائیں کس نام سے پکارتی تھیں؟

۲۔ کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ چنبیلی اور چاندنی گہری سہیلیاں تھیں؟

۳۔ دونوں سہیلیوں کو کس بات کا شوق تھا؟

۴۔ چنبیلی اور چاندنی نزدیک کے گاؤں میں جا کر کیوں رہنے لگیں؟

۵۔ ساس اپنی بہوؤں کی کس عادت سے پریشان ہو گئی؟

۶۔ چنبیلی اور چاندنی کی مدد کس نے کی؟

۷۔ چنبیلی اور چاندنی نے اپنی ساس سے کیا وعدہ کیا؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ ایک دن ساس نے اپنے دل میں کیا سوچا؟

۲۔ ساس نے اپنی بہوؤں کو کون سے تحفے لانے کے لیے کہا؟

۳۔ چھوٹی بچی کاغذ کے اندر آگ اور کاغذ میں ہوا کس طرح لے آئی؟

❋ غور کر کے بتائیے:

۱۔ دونوں سہیلیوں کو اپنی ساس کے لیے تحفے لے جانا ناممکن کیوں لگ رہا تھا؟

۲۔ اس کہانی سے چھوٹی بچی کی کس خوبی کا پتا چلتا ہے؟

سرگرمی: چین میں لالٹین اور پنکھے کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

۲۵

موبائل

عبدالاحد سازؔ

پیدائش : ۱۹۵۰ء

عبدالاحد ساز موجودہ زمانے کے ایک اہم شاعر ہیں۔ وہ ممبئی میں رہتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مجموعے 'خموشی بول اُٹھی' اور 'سرگوشیاں زمانوں کی' مشہور ہیں۔

دور بیٹھے ہوئے لوگ فون پر بات کر لیتے ہیں۔ آج کے فون میں بہت تبدیلی اور ترقی ہوئی ہے۔ ذیل کی نظم میں موبائل کی بعض خصوصیات پیش کی گئی ہیں۔

اپنے ہاتھ میں جادوٗ کی اِک ڈِبیا ہے
جس میں اِک انمول خزانہ رکھا ہے

یادیں ہیں ، آوازیں ہیں ، تصویریں ہیں
کچھ نقشے ، کچھ خاکے ، کچھ تحریریں ہیں

دُنیا میں جب جس سے چاہیں ، بات کریں
بھارت میں دِن ، امریکہ میں رات کریں

لمحوں میں طے ہو میلوں ، گھنٹوں کا سفر
ننّھے سے کچھ بٹن دباکر اِدھر اُدھر

بٹن دبانا بھی اب کہاں ضروری ہے
بس اُنگلی سے چھو لینا ہی کافی ہے

اک جامِ جمشید ہے گویا قبضے میں
علم کا یہ تحفہ ہے ہمارے حصّے میں

کل سپنا تھا لیکن آج حقیقت ہے
اپنی مٹّھی میں موبائل کی قوّت ہے

****

جامِ جمشید – ایران کے بادشاہ جمشید کا بنایا ہوا ایک پیالہ جس میں کہتے ہیں کہ دنیا کے سارے حالات نظر آجاتے تھے۔

مشق

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

١۔ جادو کی ڈبیا میں کیا رکھا ہے؟
٢۔ جادو کی ڈبیا سے کیا مراد ہے؟
٣۔ موبائل میں کون کون سی چیزیں ہوتی ہیں؟
٤۔ موبائل کی مدد سے لمبا سفر کیسے طے ہو جاتا ہے؟
٥۔ موبائل چلانے میں کون سی آسانی ہو گئی ہے؟
٦۔ شاعر نے موبائل کو کیا نام دیا ہے؟

سرگرمی:

١۔ موبائل کی کسی دکان پر جا کر مختلف قسم کے موبائلوں کا مشاہدہ کیجیے۔
٢۔ موبائل سے اور بھی بہت سے کام لیے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔

تالاب کا بھؤت

’تالاب کا بھؤت‘ مراٹھی زبان کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ اس کہانی کو پیش کرنے کا مقصد دوسری زبانوں سے اُنسیت پیدا کرنا ہے۔ اس کہانی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بھوت پریت کچھ نہیں ہوتے۔ انسان اپنی جہالت اور توہم پرستی کی بنا پر بھوتوں کے قصے گھڑ لیتا اور اُن سے ڈرنے لگتا ہے۔

اپریل کا مہینہ، دوپہر کی چلچلاتی دھؤپ، نارائن راؤ پسینے سے تر بتر رام گڑھ میں داخل ہوئے۔ رام گڑھ کے سرپنچ سے اُنھیں اپنے کھیتوں کے کاغذات کی نقل حاصل کرنی تھی۔ دفتر میں سرپنچ انھیں کا انتظار کر رہے تھے۔ نارائن راؤ نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا، ”سرپنچ صاحب! تھوڑا ٹھنڈا پانی پلا دیجیے۔ بڑی گرمی ہے!“

سرپنچ نے میز پر رکھا ہوا لوٹا اور گلاس آگے بڑھاتے ہوئے کہا، ”جناب! پانی حاضر ہے مگر ایک گلاس سے زیادہ نہ پینا۔ بڑی مشکل سے صبح شام ایک ایک مٹکا ملتا ہے۔ وہ بھی چار کلومیٹر دؤر سے لانا پڑتا ہے۔“

”مگر گاؤں کا تالاب چھوڑ کر آپ پانی اتنی دؤر سے کیوں لاتے ہیں؟“

”اجی جناب! کیا بتائیں۔ یہ تالاب تو گاؤں والوں کے لیے ایک مصیبت بن گیا ہے۔“

”وہ کیسے؟“ نارائن راؤ نے حیرت سے پوچھا۔

سرپنچ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازدارانہ انداز میں کہنا شروع کیا، ”گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ تالاب میں کوئی بھؤت گُھس آیا ہے۔ جہاں کسی نے تالاب کا ایک گھؤنٹ پانی پیا اُسے کوئی نہ کوئی بیماری آ دبوچتی ہے۔ پچھلے ہفتے بڑے بڑے عامل آکر چلے گئے مگر بھؤت کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ وہ اب بھی تالاب میں گُھسا بیٹھا ہے۔“

یہ سُن کر نارائن راؤ گاؤں والوں کی جہالت اور لاعلمی پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ پھر سرپنچ کا لحاظ کر کے سنجیدہ لہجے میں بولے، ”دیکھیے سرپنچ صاحب، آپ تو جانتے ہیں کہ میں گرام سُدھار کمیٹی کا ممبر ہوں۔ ہمارے پاس ایسے ایسے نسخے ہیں کہ آپ کا بھؤت دو روز میں گاؤں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ گاؤں والے بھی ہمارا ہاتھ بٹائیں۔“

”دیکھیے جناب! آپ جو کچھ بھی کریں، سوچ سمجھ کر کریں۔ بھؤت بڑا تگڑا ہے۔“

نارائن راؤ جب واپس اپنے شہر جانے لگے تب اُنھوں نے اُس تالاب کا غور سے معائنہ کیا۔ تالاب کی منڈیر جگہ جگہ سے ٹؤٹی ہوئی تھی۔ کناروں پر جنگلی جھاڑیاں اور پودے کثرت سے اُگے ہوئے تھے۔ پانی کی سطح گندی اور نیلی کائی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ کائی پر درختوں کے سؤکھے پتّوں کی چادر سی بچھی ہوئی تھی۔

لوگ تالاب میں نہاتے، کپڑے دھوتے اور مویشیوں کو نہلاتے، پھر پانی بھی اسی کا پیتے تھے۔

نارائن راؤ گاؤں والوں کی جہالت پر افسوس کرتے ہوئے شہر پہنچے۔ انھوں نے سب سے پہلے گرام سُدھار کمیٹی کے سکریٹری کو تمام واقعہ سنایا۔ پھر جیسے ہی گرمیوں کی تعطیلات شروع ہوئیں، مختلف مدرسوں سے سو بچّے منتخب کیے گئے۔ وہ سب ماسٹر صاحب کی رہنمائی میں رام گڑھ روانہ ہوگئے۔ نارائن راؤ بھی ساتھ تھے۔

نارائن راؤ نے گاؤں کے سرپنچ کو اطلاع دی۔ سرپنچ گاؤں والوں کو لے کر تالاب کے کنارے پہنچ گئے۔ ماسٹر صاحب نے کھڑے ہوکر کہا، ”پیارے بھائیو اور عزیز بچّو! آج ہمیں اس تالاب کے بھوت کو بھگانا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ تالاب کی گندگی صاف کردی جائے۔ جب گندگی صاف ہوجائے گی، اندر سے صاف شفاف پانی کے چشمے پھوٹتے نظر آئیں گے۔ ان چشموں کا نرمل پانی دیکھتے ہی بھوت بھاگ کھڑا ہوگا۔“

اتنا کہہ کر ماسٹر صاحب نے کُدال اُٹھا کر پہلی ضرب لگائی۔ پھر کیا تھا، بیک وقت دو سو ہاتھ مشینوں کی طرح چل پڑے۔ گاؤں والے دور کھڑے ڈری ڈری نظروں سے انھیں کام کرتا دیکھتے رہے۔ وہ منتظر تھے کہ ابھی بھوت نکل کر ماسٹر صاحب کا گلا دبا دے گا۔ مگر دوپہر تک وہ لوگ برابر کام میں جُٹے رہے۔ ہنستے گاتے، سب بچّے اتنے خوش خوش کام کررہے تھے گویا تالاب میں سے خزانہ برآمد ہونے والا ہو۔

سہ پہر کے قریب شہر سے ایک لاری آئی جس میں قیام کے لیے خیمے اور بچوں کے کھانے پینے کا سامان تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کے قریب میدان میں خیمے گاڑ دیے گئے۔ گاؤں والے انھیں منع کرتے رہ گئے کہ رات کو یہاں نہ ٹھہریے، آپ نے بھوت کو ناراض کردیا ہے۔ کہیں رات میں وہ آپ کو پریشان نہ کرے۔ مگر ماسٹر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا، ”ہم

بھؤت کو پیاری پیاری کہانیاں سنا کر اُس کا غصّہ ٹھنڈا کر دیں گے۔"

پہلی رات کو گاؤں والے بڑے گھبرائے ہوئے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ رات میں بھؤت ایک آدھ بچّے کو کھا جائے گا اور صبح تک سب شہر بھاگ جائیں گے۔ مگر جب صبح اُنھوں نے دیکھا کہ تمام بچّے ویسے ہی خوش خوش کدال پھاوڑا سنبھالے کام پر جا رہے ہیں تو حیرت سے اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

گاؤں والوں کے ذہن میں بات آ گئی۔ اُن کا خوف دور ہو گیا۔ بچّوں کے ساتھ وہ خود بھی کام میں جُٹ گئے۔ پھر کیا تھا، ایک ہفتے کے اندر ہی تالاب کے باہر کیچڑ اور گندگی کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ تالاب آئینے کی طرح صاف ہو گیا اور زمین سے پھوٹتے پانی کے قدرتی چشمے نظر آنے لگے۔ پھر ماسٹر صاحب نے پوٹاشیم پرمینگنیٹ کی تھوڑی سی مقدار پانی میں گھول کر تالاب میں ڈال دی۔ دوسرے دن شہر سے کانچ کے دو بڑے بڑے مرتبان پہنچ گئے جن میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ماسٹر صاحب نے گاؤں والوں سے کہا، "بھائیو! دیکھیے یہ آپ کے تالاب کی صفائی کرنے والے خدمت گار ہیں۔ اب آپ لوگ یہ کیجیے کہ تالاب کے اردگرد ایک پختہ منڈیر بنائیے۔ اطراف میں اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں اور جھاڑ جھنکاڑ کو اُکھاڑ کر پھینک دیجیے تاکہ سورج کی کرنوں کے لیے کوئی روک نہ ہو اور تالاب کی سطح پر تیرنے والے جراثیم ہلاک ہو سکیں۔ یہاں نہ کپڑے دھوئیے نہ نہائیے۔ مویشیوں کو بھی مت لائیے۔ پھر دیکھیے آپ لوگ کیسے تن درست اور خوش رہتے ہیں۔"

سرپنچ نے ماسٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور گاؤں والوں سے کہا، "اب بات سمجھ میں آئی کہ بھؤت پریت کوئی چیز نہیں، انسان کا وہم اور جہالت ہی سب سے بڑے بھؤت ہیں۔"

****

رازدارانہ انداز	-	رازداری سے	گرام سُدھار کمیٹی	-	گاؤں کی ترقی کے لیے کام کرنے والا ادارہ
آدبوچنا	-	اچانک مضبوطی سے پکڑ لینا	ہاتھ بٹانا	-	مدد کرنا
عامل	-	جھاڑ پھونک کے ذریعے عمل کرنے والا	نِرمَل	-	صاف ستھرا
بال بیکا نہ کرنا	-	کچھ بگاڑ نہ پانا	ضرب لگانا	-	مارنا
جہالت	-	نہ جاننا	آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہنا	-	حیران ہونا
لاعلمی	-	کسی بات کا علم نہ ہونا	جُٹے رہنا	-	مصروف رہنا
پیچ وتاب کھانا	-	بہت غصہ ہونا	وہم	-	شک وشبہ

مشق

❋ ایک جملے میں جواب لکھیے۔

۱۔ گاؤں کے لوگ کہاں کا پانی پیتے تھے؟

۲۔ تالاب کا ایک گھونٹ پانی بھی کوئی پی لیتا تو کیا ہوتا؟

۳۔ تالاب کا بھوت بھگانے کے لیے نارائن راؤ نے کیا شرط رکھی؟

۴۔ گاؤں والے دور کھڑے کس بات کے منتظر تھے؟

۵۔ شہر سے آنے والی لاری میں کیا تھا؟

۶۔ آخر میں سرپنچ نے سب سے بڑا بھوت کسے کہا؟

❋ مختصر جواب لکھیے۔

۱۔ تالاب کا غور سے معائنہ کرنے پر نارائن راؤ کو کون سی باتیں معلوم ہوئیں؟

۲۔ کدال اُٹھانے سے پہلے ماسٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کیا کہا؟

۳۔ ماسٹر صاحب کے ذریعے کدال کی پہلی ضرب لگنے کے بعد کیا ہوا؟

۴۔ مچھلیوں کے مرتبان لانے کے بعد ماسٹر صاحب نے گاؤں والوں سے کیا کہا؟

❋ نیچے دیے ہوئے خط کشیدہ الفاظ کی جگہ مناسب محاوروں کا استعمال کر کے جملے دوبارہ لکھیے۔

دل ہی دل میں پیچ وتاب کھانا، بال بیکا نہ کرسکنا، ہاتھ بٹانا، جٹے رہنا، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہنا

۱۔ رسوئی کے کاموں میں فاطمہ اپنی امّی کی مدد کرتی ہے۔

۲۔ شام ہونے تک سارے مزدور دیوار کی تعمیر کے کام میں لگے رہے۔

۳۔ بیٹے کی اوٹ پٹانگ باتیں سن کر ماں کو بے حد غصہ آ رہا تھا مگر وہ خاموش رہی۔

۴۔ دشمنوں نے اُسے نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

۵۔ اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔

وجہ بتائیے۔

۱۔ تالاب گاؤں والوں کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔

۲۔ گاؤں والے دور کھڑے خوف بھری نظروں سے اُنھیں کام کرتا دیکھتے رہے۔

۳۔ گاؤں والوں نے ماسٹر جی اور طلبہ کو گاؤں کے قریبی میدان میں رات گزارنے سے منع کیا۔

۴۔ پہلی رات کو گاؤں والے بڑے گھبرائے ہوئے تھے۔

۵۔ ماسٹر جی نے تالاب کے اطراف اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں اور جھاڑ جھنکاڑ کو اُکھاڑ پھینکنے کے لیے کہا۔

غور کر کے بتائیے : گاؤں کے لوگ تالاب کا پانی پیتے ہی بیمار کیوں پڑ جاتے تھے؟

سرگرمی : اپنے استاد سے معلوم کیجیے کہ پانی کے ذخیرے کن وجوہات سے آلودہ ہوتے ہیں۔

آئیے زبان سیکھیں

ذیل کے جملے غور سے پڑھیے۔

۱۔ اس نے بے خطر پانی میں چھلانگ لگائی۔

۲۔ بڑی مشکل سے شیر کو پنجرے میں ڈالا گیا۔

۳۔ پھر اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں گے۔

۴۔ اندر سے صاف شفاف پانی کے چشمے پھوٹتے نظر آئیں گے۔

ان جملوں میں 'بے خطر، بڑی مشکل سے، اطمینان سے، اندر سے' الفاظ متعلق فعل ہیں۔

جس لفظ سے فعل کے کب، کہاں، کیسے کیے جانے کا علم ہو اُسے 'متعلق فعل' کہتے ہیں۔

جن الفاظ سے فعل کے وقت کا تعین ہو جیسے

اب، جب، تب، ابھی، جبھی، تبھی، آج، کل، پرسوں، فوراً، سدا، صبح سویرے وغیرہ یہ تمام الفاظ **'متعلق فعل'** ہیں۔

فعل کے مقام یا جگہ کی نشاندہی کرنے والے الفاظ بھی 'متعلق فعل' ہوتے ہیں جیسے

یہاں، وہاں، کہاں، جہاں تہاں، آگے، پیچھے، نیچے، اوپر، باہر، اندر، اِدھر، اُدھر، وغیرہ۔

فعل کے ہونے کا سبب بتانے والے الفاظ جیسے

بخوشی، بخوبی، لہٰذا، چنانچہ، اس لیے، اس طرح وغیرہ الفاظ بھی **'متعلق فعل'** ہوتے ہیں۔

فعل کی کیفیت بتانے والے الفاظ جیسے

دھیرے دھیرے، تیز، جھٹ پٹ، یکایک، فوراً، ناگہاں، اچانک، فی الفور وغیرہ **'متعلق فعل'** کہلاتے ہیں۔

مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی وابھیاس کرم سنشودھن منڈل، پونہ - ४११००४

₹ 40.00

बालभारती इयत्ता ५ वी (उर्दू)